کرمی دار الکتب کراچی

اصلاحی دروس

اللهم

بارک علی محمد وعلی آل محمد

کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

بسلسلہ مشکوٰۃ نبوت

اصلاحی دروس (جلد ششم)

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

نام کتاب:۔ اصلاحی دروس (جلد ششم)

افادات حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ

ترتیب وتزئین حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب

باہتمام:۔ عاصم برادران سلمہم الرحمٰن

صفحات:۔ 400

سن طباعت:۔ مارچ 2019

تعداد:۔ 1,100

قیمت:۔

کرامی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

asim@JamiaHammadia.com

www.JamiaHammadia.com

اجمالی فہرست

اِصلاحی دُروس (جلد ششم)

اظہار تشکر

میں سب سے پہلے شکر گزار ہوں اپنے پروردگار کا کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حماد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ وبانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی) کے بیانات جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، رسائل کی شکل میں شائع ہورہے ہیں۔ اب ان رسائل کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اس کی جلد دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

پھر میں خصوصی شکر گزار ہوں استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس سرہ) کا جنہوں نے اس کام میں میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر موقع پر مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر ہمارے اوپر قائم رکھے آمین،

آخر میں میں اپنے ان محبین ومخلصین دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی طور پر شریک ہوئے اور میرے ساتھی ومعاون بنے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اوران کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔

محتاج دعا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

صبر کے فوائد و برکات

شکر کی اہمیت وفضیلت

نکاح کی اہمیت، فضیلت اور احکام

بیوی کے حقوق یعنی شوہر کی ذمہ داریاں

شوہر کے حقوق یعنی بیوی کی ذمہ داریاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل کی بات

عاصم عبداللہ بن حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب قدس اللہ سرہ ملک اور بیرون ملک کی ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت تھے، اور ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''جامعہ حمادیہ'' شاہ فیصل کالونی کراچی کے بانی و مہتمم کے علاوہ کئی مدارس و مساجد کے سرپرست بھی رہے بحمد للہ اہل علم میں ایک خاص مقام تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کا شمار شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد خاص اور قطب الاقطاب حضرت حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز اور اخص الخاص خلفاء میں ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ جب تک اس دنیاء فانی میں رہے تواضع اور اخفاء کے ساتھ رہے لیکن اس کے باوجود کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت، شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر فائز فرمایا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو درس قرآن اور درس حدیث اور دیگر اصلاحی موضوعات

پر بیان کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہوا تھا، آپ کا یہ بیان جامعہ حمادیہ میں ہو یا جامع مسجد حنفیطیہ میں یا علاقے اور شہر کی کسی مسجد میں ہو، یا کسی عام جگہ پر ہو لوگ دور دور سے ان بیانات کو سننے کیلئے آتے تھے۔

آپ کے یہ بیانات عوام اور خواص دونوں کے لئے تریاق ثابت ہوا ہے اور اس سے سینکڑوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں آئیں جن کے چہروں پر داڑھیاں نہ تھیں انہوں نے سنت کے مطابق داڑھی رکھ لی اور حرام آمدن والوں نے حلال ذرائع آمدن اپنا لئے جن کا گھریلو ماحول بے دینی کا تھا، انہوں نے اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینی شروع کر دی۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی بات سننے والوں کے دل میں اترتی چلی جاتی تھی سننے والا اپنے اندر ایمانی حلاوت محسوس کرتا تھا حضرت والد صاحب ؒ کے بیانات میں جو تاثیر تھی اور جو خیر و برکت تھی اسکی ایک وجہ تو حضرت والد صاحب ؒ کی للّٰہیت اور خلوص تھا اور دوسری وجہ الفاظ میں نہ کوئی تصنع اور نہ کوئی بناوٹ سہل ترین الفاظ آپکے بیانات کا حصہ ہوتے تھے۔

بعض احباب حضرت ؒ کی ان تقاریر کو کیسٹ میں محفوظ کر کے مستفید ہوتے رہے الحمد للہ ان کیسٹوں کا خاطر خواہ ذخیرہ محفوظ ہے، جسے

کمپیوٹر میں بھی محفوظ کیا جاچکا ہے، اور اب بحمداللہ اصلاح وتربیت کا یہ عظیم خزانہ کاغذوں پر بھی منتقل کیا جارہا ہے۔

جب یہ تحریری افادات سینکڑوں صفحات میں محفوظ ہوگئے تو حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے بہت سے قریبی احباب نے بااصرار مشورہ دیا کہ ان افادات کو جو مختلف موضوعات پر ہیں عنوانات کے تحت مرتب کر کے رسائل کی صورت میں شائع کیا جائے، تاکہ ان کا فائدہ عوام الناس کو پہنچے، مجھے انکی رائے بہت پسند آئی، پھر اس پر دلجمعی کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا۔

بحمداللہ ہر سال تقریباً پانچ سے چھ کتابچے تیار ہو کر چھپ کر منظر عام پر آجاتے ہیں، متعدد کتابچے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں اول تا آخر خود ملاحظہ فرمائے، خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، دل سے پرخلوص دعاؤں سے نوازا، وہی دعائیں آج میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

فی الحال حضرت نور اللہ مرقدہ کے درسِ حدیث کے سلسلے ''مشکوٰۃ نبوت'' کو جو ماہنامہ الحماد میں ہر ماہ شائع ہوتا رہا موضوع کی مناسبت سے ''کریمی دارالکتب'' کی طرف سے اسے کتابچے شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔ بحمداللہ اب تک تین درجن سے زائد کتابچے شائع ہو چکے ہیں جو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

اب محبین ومخلصین کے اصرار پر ان مطبوعہ رسائل کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بنام ''اصلاحی دروس'' شائع کر رہے ہیں، بحمداللہ تین جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، اور اب اس کی جلد چہارم پیشِ خدمت ہے۔ پانچویں جلد کے لئے بھی کام شروع کردیا گیا ہے۔ جس کی تکمیل کیلئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ امت کو اس مفید سلسلے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونیکی توفیق عطا فرمائے، اور ہماری مغفرت ونجات اور حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عاصم عبداللہ

استاد ومفتی جامعہ حمادیہ کراچی

۱۶ر جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ

مطابق ۲۳ر مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ تحریر

استاذ العلماء والمشائخ، شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹہ سندھ
خلیفہ مجاز
حضرت اقدس، ولی کامل، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد!

ہمارے شیخ، مرشد الأمہ، مصلح الکل، فنافی اللہ پیر طریقت رہبر شریعت حضرت اقدس مولانا عبدالواحد رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ ونور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے عشق ومحبت، کتاب وسنت کی اتباع واطاعت علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور اصلاح امت کے لیے وقف تھی۔ سفر میں، حضر میں، مسجد میں، دفتر میں، گھر میں، عوام میں، خواص میں، خلوت میں، جلوت میں الغرض ہر حال و ہر مقام

پر کتاب وسنت پر عمل خلقت الٰہی کی کتاب وسنت کی طرف رہنمائی دین کی نشر واشاعت اور قرآن وحدیث کی تفسیر تشریح وتوضیح آپؒ کا محبوب وحسین شغل تھا. شہرت جاہ ، ریا اور دکھلاوے سے شدید نفرت اور گمنامی تواضع ،انکساری سے رغبت کی وجہ سے آپؒ کے فیض ومعرفت کو عام کرنا اور مشہور کرنا آپؒ کی حیات طیبہ میں محال ونا ممکن اقدام تھا۔

آپؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب زید مجدھم وبورک فی عِلمھم وَعملم استاذ ومفتی جامعہ حمادیہ (جو علم وعمل میں آپؒ کی ہو بہو تصویر اور آپؒ کی حسن تربیت کے حسین شگوفے، ونمونے ہیں۔آپؒ کے شرعی و قانونی وارث وجانشین ہیں) نے 1995ء سے آپؒ کی مشروط ومحدود اجازت کے ساتھ آپؒ کے درس قرآن درسِ حدیث، جمعے کے بیانات اور اصلاحی مجالس کے مواعظ وتقاریر کو محفوظ کرنے اور مضامین کے شکل میں ماہنامہ الحماد، اور مستقل رسائل کی زینت بنانے کے کار خیر کا آغاز فرمایا۔حضرت ؒ نے محتاط طریقہ سے بذات خود نظر ثانی فرمانے کے بعد شہرت سے نفرت اور ریا کے خوف سے محدود حد میں اجازت عنایت فرمائی، حضرتؒ کے وصال کے بعد مکمل اتفاق ومشاورت اور میرے شدید اصرار کے تحت حضرت مفتی صاحب زید مجدھم کو آپؒ کی مسند خلافت تفویض ہوئی اس

کے بعد سے ہر ملاقات میں حضرت مفتی صاحب پر یہ بارگراں اور یہ ذمہ داری ان کے دوش پر ڈالنے کی تاکید کرتا رہا ہوں کہ آپ نے حضرتؒ کے علوم وفیوض کو جاری وساری رکھنا ہے اور جو سلسلہ 1995ء میں سنبھالا اور شروع کیا اسے کماحقہ حیاً ومیتاً باقی رکھنا ہے۔

سلسلے کے تمام معمولات اور حضرتؒ کی حیات کے تمام مشاغل وفیوضات کی بھاری ذمہ داری کے ساتھ آپؒ کے فیوض وعلوم کی امت میں نشر واشاعت میں پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر قدم اٹھانا ہے اور آگے بڑھتے جانا ہے۔ ہماری دعائیں، محنتیں، وسائل اور مشورے آپ کے ہمقدم ہونگے ان شاءاللہ تعالیٰ

انتہائی خوشی ومسرت اور حمد وشکر کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحب زید فضلہم نے سلسلے کے معمولات کو کماحقہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدسؒ کے علوم وفیوض کے سلسلہ درسِ حدیث بعنوان ''مشکوٰۃ نبوت'' کے متعدد کتب ورسائل کو حتمی طباعتی مراحل میں لے آئے ہیں۔ الحمدللہ! اس وقت تک سلسلہ مشکوٰۃ نبوت کی دو جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ کتب ورسائل چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم انہیں مطبوعہ رسائل مجموعہ کو کتابی شکل میں اصلاحی دروس کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ بحمداللہ امسال گزشتہ اصلاحی دروس کی پہلی اور دوسری جلد شائع ہو چکی ہے، جو عوام

وخواص کے حلقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔

پہلی جلد میں حضرت قدس اللہ سرہ کے درج ذیل دروس حدیث شامل ہیں۔

(۱) ایمان زندگی کے لئے ناگزیر ضرورت

(۲) ایمان کامل کے تقاضے

(۳) رمضان المبارک کی اہمیت، آداب ومعمولات

(۴) تجلیاتِ ذکر

(۵) دُعا، دنیا وآخرت کی کامیابی کا زینہ ہے

اور

دوسری جلدیں جلد میں درج ذیل دروسِ حدیث ہیں۔

(۱) معاشرت زندگی کے سنہرے اصول

(۲) بدامنی اور خون ریزی اسلام کی روشنی میں

(۳) اسلام اور عدل وانصاف

(۴) دنیا کی حقیقت اور اعمال کی ضرورت

(۵) اسلام کے معاشرتی حقوق

(۶) درود شریف کے فضائل وبرکات

اور اب حضرت مفتی صاحب زید فضلہم بحمد اللہ اصلاحی دروس کی تیسری اور چوتھی جلد ہدیہ قارئین کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی

صاحب کو خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

(۱) اتباعِ سنت اور راہِ نجات

(۲) اتباعِ سنت اور صحابہ کرامؓ

(۳) اسلامی آدابِ زندگی

(۴) معاشرتی زندگی کے اسلامی آداب

(۵) عظمتِ قرآن اور آدابِ تلاوت

چوتھی جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) گناہوں سے توبہ کیجئے

(۲) استغفار کے فوائد و برکات

(۳) اچھے اخلاق اپنایئے

(۴) جمعہ کی اہمیت، فضیلت آداب اور معمولات

(۵) تواضع وانکساری کے فوائد و برکات

پانچویں جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) تکبر وغرور کا خوفناک انجام

(۲) تقویٰ کی برکات وثمرات

(۳) وعدہ خلافی ایک سنگین گناہ

(۴) امانت کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں

(۵) صدقہ کے فضائل و برکات

(۶) عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل واحکام

چھٹی جلد حضرت والاؒ کے درج ذیل دروس پر مشتمل ہے۔

(۱) قربانی کے فضائل ومسائل
(۲) صبر کے فوائد وبرکات
(۳) شکر کی اہمیت وفضیلت
(۴) نکاح کی اہمیت، فضیلت اور احکام
(۵) بیوی کے حقوق یعنی شوہر کی ذمہ داریاں
(۶) شوہر کے حقوق یعنی بیوی کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ حضرت والا اقدس اللہ سرہ کے قیمتی دروس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہماری دعا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے جانشین وخلیفہ مجاز کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب کے علم وعمل اور صلاحیتوں میں ترقی نصیب فرمائے۔

اللھم وفقه لما تحب وترضیٰ من القول والفعل والعمل والنیة والاخلاص۔

محمد ابراہیم عفی عنہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ باب الاسلام ٹھٹھہ
۱۶ / جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ
بمطابق ۲۳ / مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال وتاثرات

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی ومہتمم جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

(جو حضرتؒ نے اپنی زندگی میں تحریر فرمایا تھا)

اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم، انعام اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس ذاتِ عالی نے بچپن سے دینی ماحول، اور ایمانی مراکز سے میرا رشتہ ناطہ جوڑا، غربت میں رکھا، غریب الوطنی میں پھینکا، تن من دھن کی آسائشوں سے دور رہا مگر علمِ دین اور دولت ایمان سے آباد جھونپڑی نما خانقاہوں اور مراکزِ تعلیم سے وابستہ رکھا۔ جہاں مادّی وسائل اور آسائشیں نہ ہونے کے باوجود روحانی خوشحالی، سکون اور طمانیت کی وہ دولت میسر تھی جس کے لئے دنیا کے عظیم بادشاہ بھی ترستے اور تڑپتے چلے گئے۔

(والحمدللّٰہ علی ذالک)

دار العلوم دیوبند سے علمی سفر طے کرتے ہوئے جب ارضِ پاک میں داخل ہوا تو صوبہ سندھ کے ایک دور افتادہ، پسماندہ، گمنام بلکہ بے نام علاقہ ھالیجی شریف کے مقام پر قطب الاقطاب ولی کامل، جنید

دوران حضرت مولانا حماداللہ ھالیجوی قدس اللہ سرّہ العزیز کی قدموں میں جگہ ملی۔ جہاں کے چشمۂ فیض سے سیرابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنادیا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی دین کی خدمت اور دینی تعلیمات کی اشاعت کے لئے وقف ہوگئی۔

الحمدللہ زندگی کے اس دورانیئے میں جامع مسجد حنفیطیہ میں درسِ قرآن و درسِ حدیث اور اصلاحی مجلسوں اور نماز جمعہ سے قبل بیان کا سلسلہ اس کے علاوہ جامعہ حمادیہ اور علاقے کی دیگر مساجد میں بھی یہ تمام سلسلے جاری رہے، جسے بعض مخلص احباب نے اسے ٹیپ کیا اور پھر ان ٹیپ شدہ تقریروں اور بیانات کو قلم بند کروایا ،اور پھر جب سے جامعہ حمادیہ کا ترجمان ''ماہنامہ الحماد'' کا اجرا ہوا تقریباً دو عشروں سے ماہنامہ الحماد کے کے صفحات پر ان دروس کو مستقل طور پر درسِ قرآن کو (نور ہدایت) اور درسِ حدیث کو (مشکوٰۃ نبوت) کے عنوان سے شائع کیا جارہا ہے۔

اور اب ضرورت اور اسکی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے برخوردار مفتی عاصم عبداللہ سلمہ استاذ و مفتی جامعہ حمادیہ و دیگر متعلقین نے ''الحماد'' کے صفحات پر شائع شدہ ان مضامین کو کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے کئی کتابچے شائع ہوکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں جو میری نظروں سے بھی گزرے ہیں دیکھ کر بہت خوشی

ہوئی کہ ماشاء اللہ برخورداراورانکے معاونین نے بڑی محنت کی ہے اوران مضامین میں ذیلی عنوانات لگا کر اسکی افادیت کو بڑھادیا ہے مقصود فائدہ اوراستفادہ ہے، مجھے اورشایع کنندگان کودین کی تبلیغ اورنشرواشاعت کا فائدہ ملے گا اور پڑھنے اورمستفید ہونے والوں کواپنی زندگی دین وشریعت کے مطابق ڈھالنے اوراللہ کی رضا حاصل کرنے کا عظیم ثمرہ حاصل ہوگا!

دعا ہے کہ جیسا کہا ہے اورنیت کی ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرمادیں اورہم سب کواپنی رضا اوراخروی سرخروئی کی دولت مرحمت فرمادیں، اوراللہ تعالیٰ اسے پوری امت کیلئے نافع بنادیں اوراسے شرف قبولیت سے نوازیں۔(آمین یارب العالمین۔)

وصلی اللہ علی نبیہ خاتم النبیین

عبد الواحد

انتساب

اُن عظیم مشفق ومُربی ہستیوں کے نام جو تصوف وسلوک، طریقت وراہِ معرفت، عبدیت وانابت، اہتمام سنت واطاعت، اصلاح ظاہر وباطن، بے نفسی وفنائیت، اخلاص کامل وللہیت، تفویض وتوکل، عشق رسول ﷺ کے پیکرِ مجسم اور اکابرین علماء دیوبند کے مسلک اعتدال کی زبانِ ترجمان تھے، یعنی

شیخ العرب والعجم، سیدی وسندی

حضرت مولانا **حسین احمد مدنی** نوراللہ مرقدہٗ

اور

مرشدی ومولائی ولی کامل

قطبُ الاقطاب حضرت مولانا

حمّادُاللہ ہالیجوی

رحمهم الله رحمةً واسعةً

قربانی کے فضائل و مسائل

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

عن زيد بن أرقم رضي الله عنه قال قال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الأضاحي قال سنة أبيكم إبراهيم صلوات الله عليه وسلامه قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة. (كذا في الترغيب)

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا، یارسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تمہارے باپ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا (تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے جانور کے) ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، انھوں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ! (جن جانوروں کے بدن پر اون ہے اس) اون کا کیا حکم ہے؟ (کیا اس پر بھی کچھ ملے گا؟) آپ نے فرمایا اون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ملے گی۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

اما بعد !

فاعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم.

وَقَالَ إِنِّی ذَاهِبٌ إِلَی رَبِّی سَیَهْدِینِ . رَبِّ هَبْ لِی مِنَ الصَّالِحِینَ . فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِیمٍ . فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یَا بُنَیَّ إِنِّی أَرَی فِی الْمَنَامِ أَنِّی أَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَی قَالَ یَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِی إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِینَ . فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِینِ . وَنَادَیْنَاهُ أَنْ یَا إِبْرَاهِیمُ . قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا إِنَّا کَذَلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِینَ . إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ

الْمُبِينُ. وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ. وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ
فِي الْآخِرِينَ . سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ. كَذَٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ . (سورۃ الصّفّت: ۹۹ تا ۱۱۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی قربانی کا واقعہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا ایک اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حضور اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی پیش کی، تفصیلات آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ .

''اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں، عنقریب وہ مجھے راہ بتا دے گا۔''

یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ اپنے اہل وطن سے بالکل مایوس ہو گئے، اور وہاں آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ ''رب کی طرف چلے جانے'' سے مراد یہ ہے کہ میں دارالکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے

رب کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور جہاں میں اپنے پروردگار کی عبادت کرسکوں گا، چنانچہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شام تشریف لے آئے، اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے وہ دعاء فرمائی جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے، یعنی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ.

''اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما۔''

چنانچہ آپ کی یہ دعاء قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سنائی:

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ.

''پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔''

''حلیم المزاج'' فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر وضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال

نہیں پیش کرسکتی، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسماعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ.

''سو جب وہ فرزند ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔''

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا۔ (قرطبی)

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کردیں، یوں یہ حکم براہِ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جاسکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے

ذریعہ دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لیے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ (تفسیر کبیر)

اس کے علاوہ یہاں باری تعالیٰ کا اصل مقصد نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا تھا، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دینا تھا کہ انہیں ذبح کر ہی ڈالو، بلکہ منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انہیں ذبح کرنے کے سارے سامان کر کے ان کے ذبح کا اقدام کر گزرو، اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لیے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، اس طرح آزمائش بھی پوری ہو گئی، اور خواب بھی سچا ہو گیا۔

یہ امتحان کس قدر سخت تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ.

کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ

کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوت بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹے سے مشورہ

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔

"سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لیے پوچھی کہ آپ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی تردد نہ تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے؟ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن اطاعت کے لیے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے تو یہ دونوں کے لیے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے

سے اس لیے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لیے پہلے سے تیار ہو سکے گا، نیز اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذب ہوا بھی تو اسے سمجھایا جا سکے گا۔

(روح المعانی و بیان القرآن)

فرمانبردار بیٹے کا جواب

بیٹا بھی اللہ کے خلیل علیہ السلام کا بیٹا تھا اور اسے خود منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، اس نے جواب میں کہا:

يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ.

''ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریئے۔''

اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبۂ جاں سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں

نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

فرمانبردار بیٹے کی یقین دھانی

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ:

سَتَجِدُنِی اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِینَ ۔

''ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے، ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا، دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ:

''آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے''۔

لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ:

''آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔

جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر و ضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا، اس طرح

آپ نے اس جملے میں فخر و تکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شائبہ کو ختم کر کے اس میں انتہاء درجے کی تواضع اور انکساری کا اظہار فرما دیا۔ (روح المعانی)

فائدہ

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملے میں اپنے اوپر خواہ کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن اسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں، جن سے غرور و تکبر ٹپکتا ہو۔

اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہئے کہ ان میں اپنے بجائے اللہ پر بھروسہ کا اظہار ہو، اور جس حد تک ممکن ہو تواضع کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے حکم کی تعمیل

فَلَمَّا أَسْلَمَا.

''پس جب وہ دونوں جھک گئے۔''

اسلم: کے معنی ہیں جھک جانا، مطیع ہو جانا، رام ہو جانا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے، یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہو جانے کا ارادہ کر لیا، یہاں ''لَمَّا جب'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی

آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدام فداکاری اس قدر عجیب وغریب تھی کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

بعض تاریخی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، ہر بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا، آج تک منیٰ کے تین جمرات پر اسی محبوب عمل کی یادگار میں کنکریاں مار کر منائی جاتی ہے، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لیے قربان گاہ پر پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا ابا جان! مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجیے، تاکہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں، اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچائیے، ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کے چھینٹے پڑیں، تو میرا ثواب گھٹ جائے، اس کے علاوہ میری والدہ خون دیکھیں گی تو انہیں غم زیادہ ہوگا۔ اور اپنی چھری بھی تیز کر لیجیے اور اسے میرے حلق پر ذرا جلدی جلدی پھیریئے گا، تاکہ آسانی سے میرا دم نکل سکے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو ان سے میرا

سلام کہہ دیجئے گا، اور اگر آپ میری قمیص والدہ کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جائیں، شاید اس سے انہیں کچھ تسلی ہو، اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بن کر جواب یہ دیتے ہیں کہ:

"بیٹے! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے میرے کتنے اچھے مددگار ہو"

یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو بوسہ دیا، پرنم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ.

"انہیں پیشانی کے بل خاک پر لٹا دیا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ انہیں اس طرح کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا۔ (مظہری)

لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے، اس لیے کہ جبین عربی میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں۔ اور پیشانی کا درمیانی حصہ جبھۃ کہلاتا ہے۔

اسی لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا

ترجمہ کروٹ پر لٹانے سے کیا ہے، لیکن بعض دوسرے حضرات مفسرین رحمہم اللہ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اوندھے منہ زمین پر لٹادیا، بہر صورت تاریخی روایات میں اس طرح لٹانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سیدھا لٹایا تھا، لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کردیا تھا، اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابا جان! مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لیے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقت پدری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اس کے علاوہ چھری مجھے نظر آتی ہے تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی۔ (تفسیر مظہری وغیرہ) واللہ اعلم۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتحان میں کامیابی کا اعلان

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَاءَ.

”اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا“۔

یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس

میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، (خواب میں بھی غالباً صرف یہی دکھایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ذبح کرنے کے لیے چھری چلا رہے ہیں) اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لیے اب انہیں چھوڑ دو۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ.

''ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں''۔

یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں، اور آخرت کا اجر و ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ.

''اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا''۔

روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لیے کھڑے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ہابیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کی تھی، واللہ اعلم۔

بہر حال یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا، اس ذبیحہ کو

بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ.

اس لیے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا اور اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہوسکتا۔

(تفسیر مظہری و معارف القرآن ص۱۹۱ ج ۷)

قربانی کی تاریخ پر ایک نظر

کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت سے مشروع ہوا ہے جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی۔ سب سے پہلے قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل نے دی۔

اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا. (سورۂ مائدہ: ۲)

''جب کہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی۔''

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ

کر کے قربانی پیش کی۔ حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی، ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان پہلے انبیاء کے زمانہ میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا دیتی تھی۔ سورۂ آلِ عمران میں اس کا ذکر صراحۃً آیا ہے کہ:

بقربانٍ تأكله النار.

''یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے۔''

اس زمانہ میں کفار سے جہاد کے ذریعہ جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا تو اس کو بھی آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ (اب ایسا نہیں)۔

اسلام میں قربانی ایک اہم عبادت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر وہ بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے، اسی طرح آج تک دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے، بتوں کے نام پر، یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورۂ کوثر پارۂ عم میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہوسکتی، قربانی بھی اسی کے نام پر ہونی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا، ہر سال پابندی سے قربانی فرماتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ ہر شخص پر ہر شہر میں شرائط کے بعد واجب ہے اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی لیے جمہور علماء اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ (شامی: تاریخ قربانی ص ۲۱)

قربانی کرنے کی فضیلت

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہٗ لَیَاتِی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا. (رَوَاہُ التِّرْمِذِیّ)

”اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ابن آدم کا نحر (یعنی قربانی کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو

خدا کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے)
سے زیادہ محبوب ہو، اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا
جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور
کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون قبل اس
کے کہ زمین پر گرے (یعنی ذبح کرنے کے ارادہ
کے وقت ہی) بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوجاتا
ہے۔ لہٰذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کر کے)
اپنے نفس کو خوش کرو۔''

فائدہ

زین العرب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقرعید کے دن سب سے افضل عبادت قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے روز اسی طرح آئے گا جس طرح کہ دنیا میں قربانی سے پہلے بغیر کسی عیب کے تھا تاکہ وہ قربانی کرنے والے کے ہر ہر عضو کی طرف سے نعم البدل اور پل صراط پر اس کی سواری ہو۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے یہ جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے تو قربانی کرنے کی وجہ سے

تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی تنگی یا کراہت پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ اس عظیم بشارت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئن اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہیے۔

قربانی کا پہلا قطرہ گرتے ہی تمام گناہوں کی بخشش

عن علی رضی اللّٰه عنه ولفظه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يا فاطمة قومی فاشهدی أضحيتک فإن لک بأول قطرة تقطر من دمها مغفرة لكل ذنب أما إنه يجاء بلحمها ودمها توضع فی ميزانک سبعين ضعفاقال أبو سعيد يا رسول الله هذا لآل محمد خاصة فإنهم أهل لما خصوا به من الخير أو للمسلمين عامة قال لآل محمد خاصة وللمسلمين امة،(كذافی الترغيب)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے فاطمہ! جاؤ اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے

گناہ معاف ہو جائیں گے نیز وہ جانور (قیامت کے
دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے
گا اور پھر اسے ستر گنا (بھاری کر کے) تمہارے
میزان میں رکھا جائے گا، حضرت ابوسعید رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے (یہ عظیم الشان فضیلت سن کر بے ساختہ
) عرض کیا یارسول اللہ! کیا یہ (فضیلت عظیمہ صرف
) آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ
(واقعۃً) اس کار خیر کے زیادہ مستحق ہیں یا آل محمد
اور تمام مسلمانوں کیلئے عام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا (یہ عظیم الشان فضیلت) آل محمد
کیلئے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی
عام ہے (یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ
فضیلت حاصل ہوگی)۔''

فائدہ

اس روایت سے دو اہم فضیلتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ قربانی کے جانور کا پہلا قطرہ گرتے ہی قربانی کرنے والے کی
مغفرت ہو جاتی ہے۔

۲۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور خون اور گوشت کیساتھ لایا جائے گا اور پھر اس کو ستر گنا وزنی کر کے میزان میں رکھا جائیگا اس لئے نہایت خوش دلی اور فراخ دلی سے قربانی کرنی چاہیے، واجب نہ ہو تو بھی ان فضیلتوں کو حاصل کرنے کے لیے قربانی کر ہی لینی چاہیے۔

قربانی کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی

عن زيد بن ارقم رضي الله عنه قال قال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الأضاحي قال سنة أبيكم إبراهيم صلوات الله عليه وسلامه قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يارسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة.

(كذا في الترغيب)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا، یارسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تمہارے باپ حضرت ابرہیم علیہ

السلام کی سنت ہے انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ!
اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا
(تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے جانور کے)
ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، انہوں نے
پھر عرض کیا یا رسول اللہ! (جن جانوروں کے بدن پر
اون ہے اس) اون کا کیا حکم ہے؟ (کیا اس پر بھی کچھ
ملے گا؟) آپ نے فرمایا اون کے ہر بال کے عوض
بھی ایک نیکی ملے گی۔"

فائدہ

غور کیجئے! اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں مل جائیں، دنبے اور بھیڑ کے بدن پر کتنے لاتعداد بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گننا چاہے تو بھی نہ گن سکے تو سوچئے! ہمارے ہزار دو ہزار کے مقابلے میں کتنی بے حساب نیکیاں ہوئیں اس قدر اجر و ثواب کو دیکھ کر خوب بڑھ چڑھ کر قربانی کرنی چاہئے، واجب تو واجب ہے ہی اگر وسعت ہو تو نفلی قربانی بھی کرنی چاہئے، ان مبارک دنوں کے چلے جانے کے بعد پھر یہ دولت کہاں نصیب ہوگی اور اس آسانی سے یہ بے شمار نیکیاں کہاں

میسر ہوں گی پھر اگر اللہ جل شانہ نے مالی فراخی عطا فرمائی ہے تو جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے وہاں اپنے مرحوم عزیزوں کی طرف سے بھی کر دے مثلاً ماں، باپ، بہن، بھائی وغیرہ ان کی طرف سے بھی قربانی کرنے سے ان کی روح کو اتنا عظیم الشان ثواب پہنچ جائے گا، اور کیا ہی اچھا ہو کہ محسن اعظم نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور آپ کے اہل بیت کی طرف سے بھی قربانی کی جائے، ورنہ کم از کم اپنی واجب قربانی تو ضرور ہی کر دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قربانی کی

جو لوگ یہ راگ الاپتے ہیں کہ قربانی ملاؤں کی ایجاد ہے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ملاؤں کی ایجاد نہیں ہے، بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معمول مبارک تھا۔ اس لئے میں آپ کے سامنے ایک ایسی حدیث پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پوری مدنی زندگی میں متواتر اور مسلسل قربانی کی ہے، حدیث مبارکہ پڑھیئے:

عَنِ ابْنِ عُمَر رضی اللہ عنہ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بِالْمَدِیْنَۃِ عَشَرَ سِنِیْنَ یُضَحِّی. (ترمذی)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دس سال مدینہ میں رہے اور ہمیشہ قربانی کرتے رہے۔''

قربانی نہ کرنے پر وعید

عن ابی هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم قال من كان له سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا.

(مسند احمد، ابن ماجه)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس گنجائش ہو اور اس کے باوجود وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔''

فائدہ

جولوگ مالی وسعت اور قربانی کی استطاعت رکھتے ہوئے اپنی واجب قربانی ادانہیں کرتے وہ آنکھیں کھولیں! اور اپنے ایمان کی خیر منائیں، اول یہی خسارہ کیا کم تھا کہ قربانی نہ کرنے سے اتنے بڑے ثواب سے محروم ہوگئے، پھر اس پر مجسم رحمت پیکر شفقت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوجائیں اور عیدگاہ میں حاضری سے روک دیں تو ایسے

شخص کا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ عیدگاہ اور مساجد اللہ تعالیٰ کی محبوب جگہیں ہیں، یہاں جمع ہونے والوں پر عفو و کرم کی بارش ہوتی ہے، یہاں کی حاضری سے کسی بدنصیب سے بدنصیب ہی کو روکا جاسکتا ہے، اس لئے بخل سے کام نہ لیں، جس نے یہ مال دیا ہے یہ حکم بھی اسی کا دیا ہوا ہے اسکی تعمیل کریں، اسی میں سلامتی ہے۔

ایک ضروری مسئلہ: بعض جگہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ بھی کماتا ہے اس کے چار پانچ لڑکے ہیں وہ بھی اپنا الگ الگ کماتے ہیں، ماں اور سب دلہنوں کی ملکیت میں سونے چاندی کا زیور بھی ہوتا ہے لیکن بقرعید میں قربانی صرف ایک ہوتی ہے اور جملہ اہل خانہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کی طرف سے یہ واجب ادا ہوگیا، یہ سخت نا سمجھی اور مغالطے کی بات ہے۔

یاد رکھیں: قربانی واجب ہونے کیلئے گھر کے ہر فرد کی علیحدہ علیحدہ ملکیت دیکھی جائے گی اور جس کی ملکیت میں کم از کم ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو یا مختلف سونے چاندی کا زیور ہو مگر مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہو یا اس قدر چاندی کی قیمت کا مال تجارت ہو یا اتنی مالیت کا فاضل سامان پڑا ہوا ہو تو اس پر بقرعید کے دن قربانی واجب ہوگی، چنانچہ

اگر اتنا زیور یا روپیہ یا فالتو ساز و سامان ماں، باپ، تمام لڑکوں اور ان کی بیویوں کی ملکیت میں ہو اتو ان سب پر ایک ایک قربانی واجب ہوگی اور اگر سب کی ملکیت میں اتنا مال نہ ہوا تو جس جس کی ملکیت میں ہوگا اس پر قربانی واجب ہوگی اور یہ بھی یاد رکھیں کہ قربانی واجب ہونے کیلئے مذکورہ بالا مقدار چاندی یا اس کی قیمت یا اس کے بقدر مال تجارت کے ملکیت میں ہونے پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں ہے، اگر کسی کے پاس بقرعید کی بارہ تاریخ کو عصر کے وقت سے پہلے اتنا روپیہ پیسہ یا مال تجارت آیا جس کے ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے تو اس پر بھی قربانی واجب ہو جائے گی وہ قربانی کریگا۔

اپنے آپ کو محروم نہ کیجئے

پوری ملت اسلامیہ شریعت کا ایک اہم شعار اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگار منا رہی ہے، انہی میں ایک شخص جسے خدا نے سب کچھ دیا ہے اور وہ آسانی سے اس اہم سنت میں حصہ لے سکتا ہے اور اسکے باوجود لاپرواہی برت رہا ہے تو اس کا کیا منہ ہے کہ سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید منائے۔

(بعض جگہ یہ رواج پایا جاتا ہے کہ جس کسی پر قربانی واجب ہوئی اس نے بکرا، بھیڑ، دنبہ یا کوئی بڑا جانور خرید لیا اور قربانی

کردی، لیکن اگر کبھی کچھ مالی اعتبار سے کمی ہوئی، چاہے وہ صاحب نصاب بھی ہو، لیکن اکثر و بیشتر یہ کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ ہر سال قربانی کرتے ہیں اگر اس سال نہ کی تو کیا حرج ہے؟)

دین اسلام ایک کامل دین ہے جس میں انسان کی قیامت تک کی ضروریات وغیرہ کا خیال رکھا گیا ہے، افضل تو یہ ہی ہے کہ صاحب نصاب ایک بکرا، دنبہ وغیرہ قربانی کا کرے، لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو بڑے جانور میں ایک حصہ ضرور لے کر فریضہ قربانی سے سبکدوش ہوکر اس وعید سے بچے۔ کیونکہ بڑے جانور میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں، اس طرح کم قیمت میں قربانی کا فریضہ ادا ہوجائے گا ضروری نہیں کہ بکرا ہی کیا جائے۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین)

قربانی شعائر اسلام میں سے ہے

خلیل اللہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے کارناموں میں سے جو چیزیں کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص تھیں وہ صرف حجاج پر لازم کی گئیں، جو اس مقام پر پہنچ کر انجام دیتے ہیں جیسے منیٰ میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ کے دمیان دوڑنا اور سات چکر

لگانا اور جو چیز اس خاص جگہ سے تعلق نہیں رکھتی ہر جگہ کی جاسکتی ہے، جیسے جانور کی قربانی، اس کو تمام امت کے لیے حکم عام کے ساتھ واجب ولازم قرار دے دیا گیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ اور پوری امت ہر خطے اور ہر ملک اور ہر جگہ میں اس واجب کی تعمیل کرتے رہے اور اس کو نہ صرف واجباتِ اسلامی میں سے ایک واجب قرار دیا گیا بلکہ شعائرِ اسلام میں داخل سمجھا گیا ہے۔

وَالبُدنَ جَعَلنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ
لَكُم فِيهَا خَير. (سورة الحج)

یعنی قربانی کے جانوروں کو ہم نے اللہ کی یاگار بنایا ہے۔ اللہ کی یادگار سے مراد اللہ کے دین کی یادگار ہے۔

ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو قربانی اس مقام میں کی جائے جہاں سے اس کا آغاز ہوا یعنی منیٰ میں، وہ زیادہ افضل ہے اور موجب ثواب و برکت ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے آخری حج میں سو اونٹوں کی قربانی کی جن میں سے تریسٹھ اونٹوں کی قربانی خود فرمائی، باقی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمایا۔ (مسلم)

یہ اتنی بڑی تعداد اسی فضیلت کی وجہ سے کی گئی، ورنہ مدینہ

طیبہ میں عام عادت دو جانوروں کو ذبح کرنے کی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔

(ترمذی شریف)

فائدہ

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ عید کی نماز پڑھ کر عیدگاہ میں قربانی فرماتے تھے تاکہ سب مسلمانوں کو حکم شرعی کی اطلاع بھی ہو جائے اور آداب بھی سیکھ لیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ نماز عید سے پہلے قربانی نہیں ہے۔

قربانی کا حکم عام ہے نہ کہ خاص

قرآن شریف کی آیاتِ مذکورہ اور روایتِ حدیث اور صحابہؓ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ قربانی کا عبادت ہونا تو عہدِ آدم علیہ السلام سے ثابت ہے، مگر عید الاضحیٰ میں اس کا ضروری اور واجب ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کے طور پر جاری ہوا، اور قرآن و سنت کے نصوص میں اس کو اسلامی واجبات میں سے ایک اہم واجب قرار دیا جو ہر ملک، ہر خطہ اور ہر زمانہ میں

ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مدینہ طیبہ میں بھی قربانی کا فریضہ ادا کیا۔

اس زمانہ کے بعض لوگوں نے جو قربانی کو مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص کیا اور وہ بھی کسی عبادت کے طور پر نہیں بلکہ حجاج کی مہمانی کے طور پر سمجھا ہے جو نہ صرف قرآن شریف سے بلکہ تمام شرائع انبیاء اور ان کی تاریخ سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر قربانی کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ مکہ معظّمہ میں جمع ہونے والے حجاج کی مہمانی اس سے کی جائے تو پھر اس میں نماز عید سے پہلے اور بعد میں کیا فرق پڑتا ہے اور بارہ تاریخ کو شام کے بعد قربانی ممنوع ہو جانے کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ کیا تیرہ تاریخ کو حجاج مکہ میں نہیں رہتے؟ اگر مہمانی اس کا مقصد تھا تو قربانی کے جانوروں کے لیے جو شرائط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر وغیرہ کے لحاظ سے بیان فرمائی ہے، ان شرائط کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟۔ نیز کیا مہمان کو صرف گوشت کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی؟۔ اگر مہمانی مقصود ہوتی تو قربانی کے ذریعہ گوشت مہیا کرنے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دوسری اشیاء خوردنی جمع کرنے کا فریضہ عائد کیا جاتا، خصوصا جبکہ مدینہ طیبہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہر سال قربانی کرنا ثابت ہے تو پھر اس کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا اور اس کو اسلام میں ٹھونسنا بہت بڑی جرأتِ رندانہ ہے۔

(تاریخ قربانی ص۲۲ مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

قربانی اور صدقہ میں فرق ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس سے انسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی روح ہے۔ تو یہ روح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی۔ کیونکہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اس طرح بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا کوئی دن متعین نہیں، مگر قربانی کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عید الاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا ہے۔

جہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً سلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی اور امت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ ائمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام

شافعیؒ، امام ابن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ رحمہم اللہ علیہم کے یہاں قربانی سنت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ یہ اس حکم میں اختلاف ہے اور ائمہ کے دقائق ہیں، مگر قربانی کی مشروعیت میں سب متفق ہیں، اور اگر یہ کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اس کی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جاتیں؟

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان خوب دیکھ بھال لیا کریں، ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، اور نہ جس کا کان چرا ہوا ہو، اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو، اور اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جدا ہیں۔ اس لیے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور پھر ساری امت آج تک بلا اختلاف یہ عمل کرتی چلی آرہی ہے اور تعاملِ امت سب سے بڑی دلیل ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ص ۳۲۷ ج ۲)

جب یہ معلوم ہوگیا کہ جانوروں کی قربانی جو ہر سال مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے وہ ابراہیمی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تو

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جانور کی قیمت کا صدقہ کردینا یا کسی دوسرے نیک کام میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کرسکتا۔ جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدلہ روزہ کافی نہیں، زکوٰۃ کے بدلے میں حج یا حج کے بدلہ میں زکوٰہ کافی نہیں۔

کوئی شخص اپنا اگر سب مال بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کردے تو ایک نماز کا فریضہ اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوتا، اسی طرح صدقہ خیرات میں کتنا بھی خرچ کردے وہ یادگارِ ابراہیمی کے قائم مقام اور واجب قربانی کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ (تاریخ قربانی ص ۱۱۸ از مفتی محمد شفیعؒ)

صدقہ کردینے سے قربانی ادا نہ ہوگی

سارے اعمالِ شرعیہ کا مقصود تقویٰ ہے، مثلاً نماز سے عاجزی و انکساری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے روزے میں تزکیہ نفس کی صورت میں، جہاد میں شجاعت کی صورت میں اور قربانی میں جاں نثاری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے، اب اگر آپ نے قربانی کے بجائے نماز پڑھ لی، تو نماز سے عاجزی اور بندگی کا تقویٰ تو ملا، مگر قربانی کی صورت میں حاصل ہونے والا تقویٰ نہ ملا۔ پس اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے اور صدقہ دے دے تو قیامت کے دن اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا مگر قربانی کا مطالبہ باقی رہے گا اور یہ سوال ہوگا کہ

قربانی کیوں نہیں کی؟ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص نماز پڑھتا رہا اور روزہ نہ رکھا تو روزہ کا مطالبہ ہوگا کہ روزہ کیوں نہیں رکھا تھا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک آدمی ملازم رکھا جس کے سپرد آپ نے کھانا پکانے اور کھانا کھلانے کی خدمت سونپی، اب اس نوکر نے یہ کیا کہ کھانا تو پکایا نہیں مگر گھر کو صاف کر کے آئینہ بنا دیا، ہر چیز قرینہ سے رکھ دی، جھاڑو بھی دی، فرش بھی دھویا، جالے بھی صاف کیے، اور جب آپ گھر میں پہنچے اور دیکھا کہ ملازم نے گھر کو بہت صاف ستھرا کر رکھا ہے تو یقیناً آپ خوش ہوں گے مگر جب کھانے کے وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے کھانا نہیں پکایا، تو یقیناً آپ اس سے باز پرس کریں گے کہ تو نے کھانا کیوں نہیں پکایا؟ تو کیا وہ ملازم جواب دے سکتا ہے کہ صاحب میں نے گھر تو صاف کر دیا، اب کھانے کا مطالبہ کیسا؟ ظاہر ہے کہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ یہاں جو کام تیرے سپرد کیا تھا وہ تو، تو نے کیا نہیں اور ایک ایسا کام کیا جو فی الجملہ اگرچہ اچھا ہے مگر تیرے سپرد نہ تھا، اس لیے یہ کام تجھ کو کھانا پکانے کے بعد کرنا چاہیے تھا۔

اسی طرح صدقہ و خیرات تو عباداتِ نافلہ ہیں اور قربانی واجب ہے تو صدقہ دینے سے اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔

کیا قربانی معاشی تباہی کا ذریعہ ہے؟

جس مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے یہ قربانی واجب فرمائی تھی، آج اسی کے بالکل برخلاف کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب! قربانی کیا ہے؟ یہ قربانی (معاذ اللہ) خوامخواہ رکھ دی گئی ہے، لاکھوں روپیہ خون کی شکل میں نالیوں میں بہہ جاتا ہے، اور معاشی اعتبار سے نقصان دہ ہے، کتنے جانور کم ہوجاتے ہیں، اور فلاں فلاں معاشی نقصان ہوتے ہیں وغیرہ، لہٰذا قربانی کرنے کے بارے میں یہ کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ جو غریب ہیں جو بھوک سے بلبلا رہے ہیں تو قربانی کرکے گوشت تقسیم کرنے کے بجائے اگر وہ روپیہ اس غریب کو دے دیا جائے تو اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا جارہا ہے کہ پہلے زمانے میں تو صرف ایک مخصوص حلقہ تھا، جو یہ باتیں کہتا تھا، لیکن اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو، جس میں کم از کم دو چار افراد یہ بات نہ پوچھ لیتے ہوں کہ ہمارے عزیزوں میں بہت سے لوگ غریب ہیں، لہٰذا اگر ہم لوگ قربانی نہ کریں اور وہ رقم ان کو دے دیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

یاد رکھئے! قربانی کی اصل روح جانور کو ذبح کرنا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہر عبادت کا ایک موقع اور ایک محل ہوتا

ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچے کہ میں نماز نہ پڑھوں، اور اس کے بجائے غریب کی مدد کردوں، تو اس سے نماز کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا، غریب کی مدد کرنے کا اجر و ثواب اپنی جگہ ہے، لیکن جو دوسرے فرائض ہیں، وہ اپنی جگہ فرض و واجب ہیں، اور قربانی کے خلاف یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہے، اور یہ معاشی بدحالی کا سبب ہے، اور معاشی اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ درحقیقت قربانی کے سارے فلسفے اور اس کی روح کی نفی ہے، ارے بھائی، قربانی تو مشروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ یہ کام تمہاری عقل اور سمجھ میں آرہا ہو، یا نہ آرہا ہو، پھر بھی یہ کام کرو، اس لئے کہ ہم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، ہم جو کہیں، اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ یہ قربانی کی اصل روح ہے، یاد رکھو، جب تک انسان کے اندر اتباع پیدا نہیں ہوجاتی اس وقت تک انسان انسان نہیں بن سکتا، جتنی بدعنوانیاں، جتنے مظالم، جتنی تباہ کاریاں آج انسانوں کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ درحقیقت اس بنیاد کو فراموش کرنے کی وجہ سے ہے کہ انسان اپنی عقل کے پیچھے چلتا ہے اللہ کے حکم کی اتباع کی طرف نہیں جاتا۔

قربانی کیا سبق دیتی ہے

قربانی کے معنی ہیں ''اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی چیز''

اور یہ لفظ ''قربانی'' ''قربان'' سے نکلا ہے، اور لفظ ''قربان'' ''قرب'' سے نکلا ہے۔ تو قربانی کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اور اس قربانی کے سارے عمل میں یہ سکھایا گیا ہے کہ ہمارے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔ جب ہمارا حکم آجائے تو اس کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانے کا موقع ہے، نہ اس میں حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کرنے کا موقع باقی رہتا ہے اور نہ اس میں چوں و چرا کرنے کا موقع ہے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حکم آجائے تو اپنا سر جھکادے اور اس حکم کی اتباع کرے۔

قربانی کے ایام تین دن

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ الْاَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی. رَوَاہُ مَالِکٌ وَقَالَ بَلَغَنِیْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلَہٗ.

''اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''بقرعید کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں''۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"مجھے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے بھی
اس قسم کی روایت پہنچی ہے"۔

فائدہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ رحمۃ اللہ علیہما تینوں ائمہ کا عمل اسی حدیث پر ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قربانی کا آخری وقت ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

تین دن کے بعد قربانی عبادت نہیں

ذی الحجہ کی قربانی کے یہ تین دن ہیں، ۱۰/ ۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ اور نفلی قربانی یعنی صدقہ کے جانور جس کے ذبح کیلئے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں، جب چاہیں جس وقت چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن قربانی کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھا دیا کہ گلے پر چھری پھیرنا یہ صرف تین دن تک عبادت ہے اور تین دن کے بعد اگر قربانی کرو گے تو کوئی عبادت نہیں، کیوں؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس عمل میں کچھ نہیں رکھا۔ بلکہ جب ہم نے کہہ دیا کہ قربانی کرو اس وقت عبادت ہے اور اس کے علاوہ عبادت نہیں ہے۔ کاش یہ نکتہ ہماری سمجھ میں آجائے تو سارے دین کی صحیح فہم حاصل ہو جائے۔ دین کا

سارا نکتہ اور محور یہ ہے کہ دین اتباع کا نام ہے، جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آگیا، وہ مانو، اور اس پر عمل کرو، اور جہاں حکم نہیں آیا، اس میں کچھ نہیں ہے۔

جب ہم سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو قربانی کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور وہ تمام امت کے لئے ایک جامع ضابطہ حیات ہے جو رہتی دنیا تک واجب التعظیم اور واجب الاتباع رہے گا۔

بال اور ناخن کاٹنے کا مسئلہ

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشَرُ وَاَرَادَ بَعْضُکُمْ اَنْ یُّضَحِّیَ وَلَا یَمَسَّ مِنْ شَعْرِہٖ وَبَشَرِہٖ شَیْئًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَلَا یَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَّ لَا یَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ رَاٰی ہِلَالَ ذِی الْحِجَّۃِ وَاَرَدَ اَنْ یُّضَحِّیَ فَلَا یَاْخُذْ مِنْ شَعْرِہٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِہٖ ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

''اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ''جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہوجائے تو تم میں سے جو شخص

قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ (جب تک کہ قربانی نہ کرلے) اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کتروائے''۔
ایک روایت میں یوں ہے کہ: ''نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن کتروائے''۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''جو شخص بقرعید کا چاند دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ (قربانی کرلینے تک) اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔''

فائدہ

بقرعید کا چاند دیکھ لینے کے بعد قربانی کرلینے تک بال وغیرہ کٹوانے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے تاکہ احرام والوں کی مشابہت حاصل ہوجائے۔ لیکن یہ ممانعت تنزیہی ہے لہٰذا بال وغیرہ کا نہ کٹوانا مستحب ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا ترک اولیٰ ہے جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

اس روایت کو اور اس جیسی دوسری روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک نہ تو اپنے ناخن کترے اور نہ سر کے بال منڈے نہ کترے اور نہ بغل اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرے، بلکہ بدن کے کسی بھی حصے کے بال نہ

کاٹے، قربانی کرنے کے بعد ناخن تراشے اور بال کٹوائے، لیکن یاد رہے ایسا کرنا مستحب ہے اور حتی الامکان مستحب پر عمل کرنا بھی چاہیے لیکن اگر کسی وجہ سے کوئی شخص قربانی سے پہلے مثلاً عید الاضحیٰ سے ایک دوروز پہلے خط بنوالے یابدن کے مخصوص حصوں کے بال صاف کرلے تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور ایسا کرنے سے قربانی کے صحیح ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا، قربانی درست ہو جاتی ہے۔

قربانی کے مسائل

قربانی کس پر واجب ہے؟

جس شخص پر زکوۃ فرض ہو یا جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اتنی قیمت کا مال تجارت ہو یا فاضل سامان پڑا ہو اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے، بہت سارے سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوۃ فرض نہیں اس پر قربانی بھی واجب نہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے، یوں کہنا تو درست ہے کہ جس پر زکوۃ فرض ہے، اس پر قربانی بھی واجب ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس پر زکوۃ فرض نہیں، اس پر قربانی واجب نہیں، کیونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر زکوۃ فرض نہیں اس لیے کہ ان کے پاس

سونا چاندی یا مال تجارت یا نقدی نصاب کے بقدر نہیں ہوتی ،لیکن بہت سا فاضل سامان پڑا ہوتا ہے (جیسے استعمال کیا ہوا ضرورت سے زائد فرنیچر وغیرہ) اگر یہ فاضل سامان ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہو جاتی ہے، ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ زکوۃ کا ادا کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزر جائیں اور زکوۃ واجب ہونے کے لئے قربانی کی تاریخ آنے سے پہلے چوبیس گھنٹے گزرنا بھی ضروری نہیں ہے اگر کسی کے پاس بقرعید کی بارہ تاریخ کو عصر سے پہلے اتنا مال آیا جس کے ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی ،اس لئے معلوم ہوا کہ جو بھی صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے اور ہر ایک کی ملکیت علیحدہ دیکھی جائے گی اگر کسی گھر میں باپ ، بیٹے ، بیٹوں کی ماں ہر ایک کی ملکیت میں اتنا مال ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی ،البتہ نابالغ کی طرف سے کسی حال میں قربانی کرنا لازم نہیں ،عورتوں کے پاس عموماً اتنا زیور ہوتا ہے جس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

قربانی کے جانور

قربانی کے جانور شرعاً مقرر ہیں ،گائے ،بیل ،بھینس ،بھینسا ،اونٹ ،اونٹنی ،بکرا ،بکری ،بھیڑ ،بھیڑا ،دنبہ ،دنبی کی قربانی ہوسکتی ہے ان کے علاوہ اورکسی جانور کی قربانی درست نہیں اگرچہ کتنا زیادہ قیمتی ہواور کھانے میں جس قدر بھی مرغوب ہو ،لہذا ہرن کی قربانی نہیں ہوسکتی ،اسی طرح دوسرے حلال جنگلی جانور قربانی میں ذبح نہیں کیے جاسکتے۔

(عالمگیری)

بڑے جانوروں میں قربانی کے حصے

وعن جابر رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة (رواه مسلم وابو داود واللفظ له)

"اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قربانی کے لیے) ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔"

مسئلہ: گائے ،بھینس ،بھینسا ،اونٹ ،اونٹنی ،میں سات حصے

ہوسکتے ہیں یعنی ان میں سے ایک جانور سے سات قربانیاں ہوسکتی ہیں خواہ ایک ہی آدمی ایک گائے لے کر اپنے گھر کے آدمیوں کے وکیل بنانے سے ان کا وکیل بن کر سات حصے تجویز کر کے ذبح کردے یا مختلف گھروں کے آدمی ایک ایک یا دو، دو حصے لے کر سات پورے کرلیں، مگر شرط یہ ہے کہ جتنے شریک ہوں ہر ایک کی نیت قربانی کی ہو یا کسی نے عقیقہ کے لیے ایک دو حصے لے لیے ہوں، چونکہ عقیقہ میں بھی اللہ ہی کے لئے خون بہایا جاتا ہے اس لئے عقیقے کا حصہ قربانی کے جانور میں لیا جاسکتا ہے جتنے لوگوں نے قربانی کے جانور میں شرکت کی، اگر ان میں سے کسی ایک آدمی کی نیت بھی اس گوشت کی تجارت کرنے یا محض گوشت کھانے کی ہو تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی اور اگر بھینس، گائے، اونٹ میں سات حصوں سے کم حصے کرلیے مثلاً چھ حصے کر کے چھ آدمیوں نے ایک ایک حصہ لے لیا یا پانچ آدمیوں نے پانچ حصے کر کے ایک ایک حصہ لے لیا تب بھی قربانی درست ہوجائے گی بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو اور اگر آٹھ حصے بنالیے اور آٹھ قربانی والے شریک ہوگئے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: چھوٹے جانور، یعنی بکرا، بکری وغیرہ میں شرکت نہیں

ہوسکتی، ایک شخص کی جانب سے ایک ہی جانور ہوسکتا ہے (عالمگیری)

قربانی کے جانور کی عمر کیا ہو

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، بھینسا کی عمر کم از کم دو سال اور اونٹ، اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے ہاں اگر بھیڑ یا دنبہ سال بھر سے کم کا ہو لیکن موٹا تازہ اتنا ہو کہ سال بھر والے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے تو فرق محسوس نہ ہو تو اس کی قربانی بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ چھ مہینے سے کم کا نہ ہو۔

مسئلہ: اگر جانور کا فروخت کرنے والا پوری عمر بتلاتا ہے اور ظاہری حالات سے اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ (احکام عیدالاضحیٰ و قربانی)

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہیے

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَ سَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَهُمَا بِیَدِہٖ وَسَمّٰی وَکَبَّرَ قَالَ رَاَیْتُہٗ وَاضِعًا قَدَمَہٗ عَلٰی صِفَاحِهِمَا

وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دنبوں کی جو سینگوں والے (یعنی جن کے سینگ لمبے تھے یا یہ کہ سینگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور اَبلق (یعنی سیاہ و سفید رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا''۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پہلو (یا گلے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے''۔

جانور ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھیے

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آداب جانتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر کسی اور سے چھری پھروا لے اور مندرجہ ذیل دعا پڑھے:

قربانیکا جانور قبلہ رُخ لٹا کر یہ دعا پڑھے (اگر یاد ہو تو)

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ . اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ، وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. بسم الله الله اكبر

کہہ کر ذبح کریں۔اور ذبح کرتے کے بعد یہ دعا پڑھیں (اگر یاد ہو)۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عليهما السلام.

اور اگر کسی اور کی طرف سے ذبح کر رہا ہے تو "مِنِّيْ" کی جگہ مِنْ فُلَانٍ کہے اور فُلَانٍ کی جگہ اس کا نام لے۔ (مسائل عیدین وقربانی)

فائدہ

اپنی طرف سے خود ذبح کر رہا ہے تو ٹھیک اور اگر کسی دوسرے شخص سے ذبح کرائے تو بہتر ہے کہ خود وہاں موجود رہے، ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ:

و يقول بسم الله والله اكبر.

میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ کہنا

افضل ہے، ذبح کے وقت درود پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔

مرنے والے کی طرف سے بھی قربانی کیجئے

وعن حنش رضی الله تعالیٰ عنه قال رایت علیا رضی الله تعالیٰ عنه یضحی بکبشین فقلت له ماهذا ؟ فقال ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه. (ترمذی وسنن ابی داؤد)

''حضرت حَنَش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ بجائے ایک کے دو کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد) ان کی طرف سے قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے کرتا ہوں۔''

فائدہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دنبہ کی قربانی تو اپنی طرف سے کرتے تھے اور ایک دنبہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر سال قربانی کرتے تھے۔

اگر اللہ نے صاحب استطاعت بنایا ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اپنے والدین مرحومین کو ثواب پہنچانے کیلئے قربانی کریں، انشاء اللہ اس کا ثواب مرحومین کو ضرور پہنچے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی کی سعادت نصیب فرمائے۔

قربانی کی منّت اور وصیّت

مسئلہ: جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہوگیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے چاہے مالدار ہو یا نہ ہو، اور منت کی قربانی کا سب گوشت فقیروں کو خیرات کرنا واجب ہے نہ خود کھائے نہ امیروں کو دے، جتنا خود کھایا ہو یا امیروں کو دیا ہو، اتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص وصیت کر کے مرگیا کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کی وصیت کے مطابق اسی کے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا تمام گوشت وغیرہ خیرات کر دینا واجب ہے (واضح رہے کہ وصیت میت کے ترکہ سے ایک تہائی کے اندر اندر نافذ ہو سکتی ہے۔)

غائب کی طرف سے قربانی

کوئی شخص یہاں موجود نہیں ہے اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے بغیر اس کے کہنے یا خط لکھنے کے قربانی کر دی، تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ بدون اس کے امر کے تجویز کر لیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی، البتہ اگر غائب آدمی خط لکھ کر وکیل بنا دے تو اس کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں جن کے لڑکے ایشیا کے کسی دوسرے شہر میں ہیں یا یورپ و امریکہ وغیرہ میں ملازم ہیں اگر وہ لکھ دیں کہ ہماری طرف سے قربانی کر دی جائے تو ان کی طرف سے قربانی کرنے سے ادا ہو جائے گی۔

فربہ جانور کی قربانی افضل و بہتر ہے

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَّيَاْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَّيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

''اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایسے سینگ دار اور فربہ دنبہ کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔''

فائدہ

علماء لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی کرنا جو بہت زیادہ فربہ اور موٹا تازہ ہو مستحب ہے، چنانچہ ایک فربہ بکری کی قربانی دو دبلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے، ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری کی قربانی سے افضل ہے بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو یعنی زیادہ گوشت والی بکری کا گوشت خراب ہو تو پھر اس کی قربانی افضل نہیں ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا ذَا یَتَّقِی مِنَ الضَّحَایَا فَاَشَارَ بِیَدِہٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَیِّنُ ظِلْعُھَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَیِّنُ عَوَرُھَا وَالْمَرِیْضَۃُ الْبَیِّنُ مَرَضُھَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِیْ لَا تُنْقِیْ. (رواہ مالک و احمد والترمذی)

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص اگر جانور میں پایا جائے تو وہ قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ ایک ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کا چلنا بھی مشکل ہو)۔ دوسرے وہ

جس کی ایک آنکھ خراب ہوگئی ہو، اور وہ خرابی بالکل
نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو، چوتھے وہ جو
ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا
بھی نہ رہا ہو۔"

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے
جانور کے آنکھ کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں اور ایسے
جانور کی قربانی نہ کریں جس کے کان کے پچھلا حصہ یا اگلا
حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ ایسے جانور کی قربانی کریں جس کا
کان چیرا ہوا ہو، یا جس کے کان میں سوراخ ہو۔"

فائدہ

قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے، یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔

قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے،

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ.

''تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہیں''۔

عیب دار جانور جن کی قربانی جائز نہیں

حضرات فقہاء کرام نے ان احادیث کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو جانور بالکل اندھا ہو یا بالکل کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا ایک کان کا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو یا اتنا دبلا جانور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی جائز نہیں اگر جانور دبلا ہو مگر اتنا زیادہ دبلا نہ ہو تو اس کی قربانی ہو جائے گی۔ (عالمگیری)

لیکن وہ ثواب کہاں ملے گا، جو موٹے تازے جانور کی قربانی میں ملتا ہے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے گری پڑی حیثیت کا جانور اختیار کرنا ناسمجھی بھی ہے اور ناشکری بھی۔

مسئلہ: جو جانور تین پاؤں پر چلتا ہے اور چوتھا پاؤں ہی نہیں یا چوتھا پاؤں رکھتا ہے تو ہے مگر اس سے چل نہیں سکتا یعنی چلنے میں اس سے کچھ سہارا نہیں لیتا تو اسکی قربانی درست نہیں اگر چاروں پاؤں سے چلتا ہے لیکن پاؤں میں کچھ لنگ ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔ (شامی)

مسئلہ: جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اسکی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جو باقی ہیں وہ تعداد میں گر جانے والے دانتوں سے زیادہ ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔ (درمختا)

مسئلہ: اگر کسی جانور کے پیدائش ہی سے کان نہیں تو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر دونوں کان ہیں اور صحیح سالم ہیں لیکن ذرا چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی ہوسکتی ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں لیکن عمر اتنی ہوچکی ہے جتنی عمر قربانی کے جانور کی ہونی لازم ہے تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر سینگ نکل آئے تھے اور ان میں سے ایک یا دونوں کچھ ٹوٹ گئے تو ان کی بھی قربانی ہوسکتی ہے ہاں اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے اور اندر کی سینگ بھی ختم ہوگئی تو اس کی قربانی درست نہیں۔

(شامی)

مسئلہ: خصی جانور کی قربانی نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسے جانوروں کی قربانی کی ہے۔

مسئلہ: اگر مادہ جانور کی قربانی کی اور اس کے پیٹ میں بچہ نکل آیا تب بھی قربانی ہوگئی اگر وہ بچہ زندہ ہے تو اس کو بھی ذبح کردے۔

مسئلہ: اگر قربانی کا جانور خرید لیا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی تو اس کے بدلہ دوسرا جانور خرید کر کے قربانی کرے، ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہیں تھی تو اسی کی قربانی کردے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کسی پر قربانی واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی، تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے اور اگر بکری خرید لی تھی تو بعینہ وہی بکری خیرات کردے۔

قربانی کے گوشت کے احکام

مسئلہ: قربانی کرنے والے کو اپنی قربانی کے گوشت کے متعلق اختیار ہے چاہے سارا گوشت اپنے گھر رکھ لے یا سارا گوشت خیرات کردے یا سارا دوستوں اور عزیزوں میں تقسیم کردے، افضل یہ ہے

کہ سارے گوشت کے تین حصے کرلے، ایک حصہ خود رکھ لے اور ایک تہائی حصہ اپنے رشتہ داروں کو ہدیۃً پہنچادے اور ایک تہائی حصہ فقیروں اور محتاجوں کو دیدے، خیرات کرنے میں ایک تہائی سے کم نہ کریں تو بہت اچھا ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر ایک گائے یا بیل یا بھینس یا اونٹ میں سات آدمی مل کر شریک ہوئے اور قربانی کی تو اب اس کا گوشت باہم اندازے سے تقسیم نہ کریں، بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک وزن کرکے بانٹیں اگر کسی کے حصے میں گوشت کم ہوگیا تو سود ہوجائیگا اور سود لینے والا اور دینے والا چاہے رضامندی سے یہ لین دین کریں سخت گناہگار ہوتے ہیں اور جس کے حصہ میں گوشت زیادہ چلا گیا اس کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں، بہرحال سارے شرکاء اگرچہ خوش دلی سے ہر ایک شریک کو اجازت دے دیں کہ جو شریک جتنا چاہے گوشت لے جائے تب بھی کسی شریک کو اس طرح لینا جائز نہیں۔

البتہ اگر گوشت کی تقسیم میں سری، پائے، کلے اور کھال کو بھی شامل کرلیا جائے اور مثلاً اس طرح تقسیم کیا جائے کہ چار حصوں میں ایک ایک پایا رکھ دیا جائے اور باقی تین حصوں میں سے ایک میں کھال ایک میں سری مع مغز اور ایک میں زبان اور کلے رکھ دئے

جائیں تو پھر وزن کر کے گوشت تقسیم کرنا ضروری نہیں اندازے سے گوشت کے سات حصے کر کے مذکورہ چیزوں میں رکھ دیے جائیں تو بہتر، بغیر تولے بھی محض اندازہ سے گوشت تقسیم کر لینا جائز ہے۔

(عالمگیری)

مسئلہ: اگر ایک جانور میں کئی شریک ہیں اور وہ سب گوشت آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ اجتماعی طور پر ہی فقراء اور احباب میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو بھی تقسیم ضروری نہیں ہے ہاں شرکاء آپس میں تقسیم کریں گے تو اس میں وزن کے لحاظ سے برابری ضروری ہے یا وہ صورت اختیار کی جائے جو اوپر مسئلہ میں ذکر ہوئی۔

(شامی بتصرف)

مسئلہ: قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے اسی طرح قصائی کو ذبح کرنے کی اجرت میں گوشت دینا بھی جائز نہیں، اجرت علیحدہ سے دینی چاہیے۔　(احکام عیدالاضحیٰ وقربانی)

مسئلہ: اگر کسی نے غلطی سے یا جان بوجھ کر قربانی کا گوشت فروخت کر دیا تو اتنے گوشت کی قیمت صدقہ کرے اور پھر صدق دل سے توبہ کرے اور آئندہ احتیاط کرے۔　(عالمگیری بتصرف)

مسئلہ: قربانی کا گوشت غیر مسلم جیسے عیسائی، یہودی، مجوسی اور ہندو وغیرہ کو دینا جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: قربانی کے جانور کی چربی، چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں دینا جائز نہیں، مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔ (درمختار)

قربانی کی کھال کے احکام

مسئلہ: قربانی کی کھال اپنے اور اہل وعیال کے استعمال میں لانا جائز ہے، مثلاً جائے نماز، کتابوں کی جلد، مشکیزہ، ڈول، دسترخوان، جراب، جوتہ وغیرہ کوئی بھی چیز بنا کر استعمال کی جاسکتی ہے بلا کراہت جائز ہے۔ (ہدایہ و درمختار)

مسئلہ: یہ بھی جائز ہے کہ کھال یا اس سے بنائی ہوئی چیز کسی کو ہبہ میں (بلا معاوضہ) دیدی جائے جس کو دی جائے خواہ وہ سید اور مالدار ہو یا اپنے ماں باپ، اور اہل وعیال ہوں اجنبی ہو یا رشتہ دار، کافر ہو یا مسلمان بلا معاوضہ ہر ایک کو دینا جائز ہے۔

(ہدایہ عالمگیری، امداد الفتاوی)

مسئلہ: فقراء و مساکین کو خیرات میں بھی دی جاسکتی ہے مگر مستحب ہے واجب نہیں۔ (بحر و عالمگیری)

مسئلہ: قربانی کی کھال، گوشت، چربی، اون، آنتیں وغیرہ یعنی قربانی کے جانور کا کوئی جزء کسی خدمت کے معاوضے میں دینا جائز نہیں، اگر دے دیا تو اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہے۔

(ہدایہ، عالمگیری، امداد الفتاوی)

مسئلہ: قربانی کے جانور کی جھول، رسی اور ہار جو گلے میں پڑا ہو وہ بھی کسی کی خدمت کے معاوضے میں دینا جائز نہیں ان چیزوں کو خیرات کر دینا مستحب ہے۔

(شامی، عالمگیری، ہدایہ و عزیز الفتاویٰ)

قربانی کی کوئی چیز قصائی وغیرہ کو بھی اس کی مزدوری میں دینا جائز نہیں، اس کی مزدوری الگ دینی چاہیے۔ (ہدایہ، درمختار)

امام و مؤذن کو بھی حق الخدمت کے طور پر دینا جائز نہیں حق الخدمت اور معاوضے کے بغیر ہر ایک کو دے سکتے ہیں۔

مسئلہ: جس نے قربانی کی کھال خریدی، وہ اس کا مالک ہو گیا اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، خواہ اپنے پاس رکھے یا فروخت کر کے قیمت اپنے خرچ میں لائے۔ (امداد الفتاویٰ)

مسئلہ: قربانی کی گائے میں جو لوگ شریک ہوں، وہ کھال

میں بھی اپنے اپنے حصے کے برابر شریک ہوں گے کسی ایک شریک کو یہ کھال باقی شرکا سے اجازت کے بغیر اپنے پاس رکھ لینا یا کسی کو دے دینا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر ایک شریک باقی شرکاء سے ان کے حصے جو کھال میں ہیں خرید لے تو اب پوری کھال اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔

(امداد الفتاویٰ)

وماعلینا الا البلاغ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

صبر کے فوائد و برکات

اور

صبر و استقامت کے ایمان افروز واقعات

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبد الواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبد اللہ

کریمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

عَنْ جَابِرٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوَدُّ اَھْلُ الْعَافِیَۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حِیْنَ یُعْطٰی اَھْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْاَنَّ جُلُوْدَھُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا بِالْمَقَارِیْضِ. (رواہ الترمذی)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر وثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام وچین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں (اور یہ عظیم اجر وثواب ہمیں بھی ملتا)۔"

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى اَمَّا بعد!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ.

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔''

گذشتہ نشست میں شکر کی نعمت سے متعلق کچھ باتیں عرض کی گئی تھیں، آج کی نشست میں صبر سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

جیسا کہ یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ انسان کو دو قسم کے حالات کا سامنا ہوتا ہے، مصیبت اور تکلیف یا پھر نعمت اور راحت، اگر کوئی تکلیف مصیبت آجائے تو وہ صبر کا مطالبہ کرتی ہے، اور اگر اللہ کی کوئی نعمت حاصل ہو تو وہ شکر کا مطالبہ کرتی ہے۔

صبر کا معنیٰ ومفہوم اور اس کی قسمیں

اس سے پہلی آیت میں شکر کا حکم فرمایا گیا تھا جس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، جو آیت مبارکہ تلاوت کی گئی ہے، اس میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔

لفظ صبر کا لغوی معنیٰ رکنے اور ٹھہر جانے کے ہیں، شریعت میں یہ لفظ تین معنیٰ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) صبر عن الشیٔ۔ (۲) صبر علی الشیٔ

(۳) اور صبر فی الشیٔ

ا۔ صبر عن الشیٔ

کا مطلب ہے اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا

یعنی دنیا ساری رعنایوں کے ساتھ سامنے آئے، گناہوں کے لئے خلوت نصیب ہو اور شباب وشراب بھی ہو، حرام پیسہ دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچے مگر انسان صبر کرے اور محض اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو روک رکھے تو اس کا بدلہ اللہ کے ہاں جنت کے سوا کچھ نہیں۔

سورۃ الفرقان میں رحمٰن کے ان خاص بندوں کا ذکر ہے جو سراپا اطاعت ہیں اور اپنے دامنِ زندگی کو گناہوں سے بچا کے رکھتے

ہیں تو ایسے ہی بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا.

''یہی وہ لوگ ہیں ان کو بہشت کا جھروکہ بدلہ میں

ملے گا کہ وہ صبر کرتے رہے۔''

۲۔ صبر علی الشیٔ

کا معنی ہے کسی چیز پر جم جانا، ڈٹ جانا۔

ایک حدیث میں آتا ہے ایک صحابی نے عرض کیا تھا کہ مجھے مختصر سی بات ارشاد فرمائیں جس سے میں چمٹ جاؤں (اور وہ میری نجات کے لئے کافی ہو جائے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ.

''کہہ دے میں ایمان لایا اللہ پر پھر اس پر جم جا۔''

تو یہی حقیقت میں ''صبر علی الشیٔ'' ہے۔

حق کی راہ میں کیسی ہی مشکلات اور پریشانیاں کیوں نہ پیش آئیں مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں جادۂ حق پر جما رہے، نہ پست ہمت ہو، نہ دل شکستہ ہو، نہ سودے بازی کرے، نہ مداہنت اختیار کرے نہ ایک قدم پیچھے ہٹے، یہی ازل سے اہل حق کا شیوہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے خطاب کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ.

''(اے محمد!) تم بھی اسی طرح صبر کرو جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کیا۔''

میدانِ جنگ میں کافروں کے مقابلے میں بہادری سے ڈٹ جانا یہ بھی صبر ہے۔

سورۂ انفال رکوع ۶ آیت ۴۵، ۴۶ میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کی چار شرطیں ذکر کی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَ اذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ، وَاصْبِرُوا ، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ○

۱۔ اللہ کی یاد (اللہ کا ذکر)۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (جس میں امیر کی اطاعت بھی شامل ہے)۔

۳۔ آپس میں اتحاد و اتفاق۔

۴۔ اور صبر و استقامت۔

جب یہ چاروں شرطیں کافروں سے مقابلے کے وقت ہوں گی تو کامیابی ملے گی۔

۳۔ ''صبر فی الشیٔ''

کا مفہوم یہ ہے کہ غم ہو یا خوشی، تکلیف ہو یا راحت سلب ہو یا کہ عطا، محرومی ہو یا کہ عنایت، ہر حالت میں اعتدال پر رہے کسی صورت میں بھی آپے سے باہر نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ نعمت ملے تو غرور سے گردن تن جائے اور کسی چیز سے محرومی ہو تو ہمت شکستہ اور ایسا بیقرار ہو جائے کہ نوحہ و ماتم کرنے لگے، سورۃ البقرہ رکوع ۱۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.(البقرة:۱۵۶)
>
> ''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں۔

ایک غلط فہمی

عام لوگ صبر کو صرف تیسرے معنیٰ ہی کے لئے استعمال کرتے

ہیں پہلے دو معنی کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر کا جزو ہیں اور صبر کے مفہوم میں شامل ہیں، اور تینوں میں مشترک امر وہی ایک بات ہے یعنی نفس کو دبانا اور ہر اس بات سے روکنا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ جو شخص بھی صبر کے ان تینوں طریقوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں اس پر نازل ہوں گی۔ سورہ زمر میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ.

''صابروں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔''

مسلمان تینوں طرح کے صبر کا پابند ہے

یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں اور ہر مسلمان پر تینوں طرح کے صبر کا پابند ہونا لازم ہے۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں صابرین انہی لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہٗ نے صبر کو ۷۰ یا ۷۵ جگہ ذکر فرمایا ہے اور اخلاق جمیلہ میں صبر کا مقام نہایت بلند ہے۔

صبر اللہ کے لشکروں میں سے ایک بڑا لشکر ہے اور من جانب اللہ ایک خاص ہتھیار ہے کہ جو خاص انسان کو عطا کیا گیا ہے اور

حیوانات و ملائکہ دونوں کو یہ نعمت نصیب نہیں۔ اس لئے کہ حیوانات میں غضب و شہوت ہے، عقل نہیں اور ملائکہ میں غضب و شہوت نہیں صرف عقل ہے اور انسان میں عقل کے ساتھ شہوت و غضب بھی ہے، اس لئے صبر کی سعادت صرف انسان حاصل کر سکتا ہے، حیوانات بھی صبر سے محروم ہیں اور ملائکہ کو بھی صبر کی ضرورت نہیں۔

الغرض صبر کے فضائل قرآن وحدیث میں بکثرت ہیں۔ جس کسی نے ترقی حاصل کی ہے اس صبر ہی کی بدولت حاصل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے صابر بندوں میں شامل فرماویں، آمین۔

پس تکلیفات شرعیہ اور اطاعت احکام الٰہیہ جو نفس پر شاق اور گراں معلوم ہوں تو ان کے آسان ہونے کا علاج صبر ہے۔

صبر نعمتوں کے دروازے کھل جانے کا سبب ہے

صبر میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے، مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ کچھ ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو سبھی کو پہنچتی ہیں۔ مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد، فرق اتنا ہے کہ جو لوگ صبر کر لیتے ہیں وہ ثواب بھی لے لیتے ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد، رحمت اور نصرت کے دروازے بھی ان کے

لئے کھل جاتے ہیں، جو لوگ صبر نہیں کرتے واویلا کرتے ہیں۔ چیختے چلاتے ہیں، اللہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کی قضا اور قدر پر راضی نہیں ہوتے، تکلیف بھی اٹھاتے ہیں اور ثواب سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ اور اللہ پر اعتراض کر کے کافر ہوجاتے ہیں اور درحقیقت اصل مصیبت زدہ وہی لوگ ہیں جو بیصبرے پن کا مظاہرہ کر کے ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں۔

اسکے برخلاف جس نے اپنی تکلیف پر صبر کر کے ثواب لے لیا آخرت میں درجات بلند کروا لیئے۔ اس کی تکلیف کوئی تکلیف نہیں ہے، کیونکہ اسے اس تکلیف کی قیمت مل گئی۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ مہینہ بھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینے کے لئے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ مزدور دن بھر دھوپ میں کام کرتے ہیں، لیکن چونکہ ان سب کا نقد معاوضہ مل جاتا ہے اس لئے یہ تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اس کو تکلیف سمجھی ہی نہیں جاتی۔

دفع مصائب کے لئے نماز پڑھیے

خطبے کی آیت مبارکہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ.

میں صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور نماز کے ذریعہ بھی

مدد حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز بھی اللہ کی مدد اور نصرت لانے کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ اور ہر طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷)

نماز فرض کا تو بہر حال اہتمام ہوتا ہی تھا، مشکلات سے نکلنے کے لئے اور حاجات پوری کرانے کے لئے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، صلاۃ الحاجت، صلاۃ الاستخارہ، صلاۃ التوبہ، صلاۃ الاستسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مروی ہیں۔ جو اللہ کی رحمت اور نصرت طلب کرنے کیلئے مشروع کی گئی ہیں۔

لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آجائے دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مخلوق سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور صلوۃ کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے، بلکہ اس کے برعکس بے صبری کرتے ہیں اور تھوڑے بہت چند افراد جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ فرض نمازیں بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ نفل نمازوں میں لگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے

۔ اور جن گناہوں میں مبتلا تھے، ان سب گناہوں میں بھی لگے رہتے ہیں، پھر رحمت اور نصرت کیسے ملے؟

حضرت عبداللہ بن اَبِیْ اَوْفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو، اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو۔ کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو۔ بہر صورت اس کو چاہیئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے، اُس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ. لَاتَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

”اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں۔ وہ بڑے حلم والا اور

بڑا کریم ہے۔ پاک اور مقدس ہے۔ وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے۔ ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اوران اخلاق ذاحوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا خداوند میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کردے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اسکو پورا فرمادے۔ اے ارحم الراحمین. سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان۔"

اہل ایمان کی مختلف طریقوں سے آزمائش

ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ.

''اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے
...... اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں
اور پھلوں میں کمی کر کے، اور خوشخبری سنا دیجئے صبر
کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو
کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے
لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے
ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے
عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور یہ وہ لوگ
ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔''

فائدہ

مذکورہ بالا آیت میں ابتلاء و امتحان کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ مؤکد کر کے فرمایا کہ ہم تم کو ضرور ضرور آزمائش میں ڈالیں گے اور امتحان کریں گے، کبھی خوف ہوگا، کبھی بھوک سے دوچار ہوگے، مال کم ہوگا، جانیں بھی کم ہوں گی، اعزاء و اقرباء اولاد اور احباب فوت ہوں گے پھلوں میں کمی ہوگی اس

میں تمام امہات المصائب کا تذکرہ آگیا، دنیا میں دشمنوں کا خوف قحط سالی، سیلاب اور زلزلے، تجارتوں میں نقصان، مکانات کا گر جانا۔ اموال کا چوری ہونا۔ کہیں دفن کر کے بھول جانا۔ رکھے ہوئے مالوں کا تلف ہوجانا۔ کارخانوں کا بند ہوجانا۔ مشینوں کا خراب ہوجانا۔ بجلی کا بند ہوجانا۔ اعزّہ و اقربا اور احباب کی موتیں ہونا۔ وبائی امراض کا پھیل جانا۔ باغوں میں پھل کم آنا یا بہت زیادہ پھل آکر آندھی سے گر جانا۔ کھیتوں میں کیڑا لگ جانا۔ ٹڈی آجانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب امور کی طرف اشارہ ہوگیا۔

مصائب کی یہ سب قسمیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پڑیں۔ بھوک کے مارے پیٹ پر پتھر بندھے رہا کرتے تھے، تجارت، زراعت بلکہ مہاجرین نے تو گھر بار بھی راہ مولیٰ میں چھوڑ دیئے تھے۔ مگر کبھی شکوہ زبان پر نہ آیا اور صبر واستقلال اور رجا وتسلیم کا بہترین مظاہرہ کیا۔

الغرض ابتدائے اسلام میں بھی اور بعد میں بھی مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہیں اور ان میں جو ثابت قدم رہا اور صبر کو اختیار کیا اس کو بشارت اور خوشخبری بھی دی جاچکی۔

صبر کرنے والوں کی خصوصی صفت و پہچان

اب آگے صبر کرنے والوں کی حالت اور نشانی بیان فرمائی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

”ان پر یعنی صبر کرنے والوں پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقتاً اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔“

یہاں تعلیم یہ دی گئی کہ مسلمان کو جب بھی کوئی مصیبت پیش آوے تو اس کو کہنا چاہیے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ.

اور مفہوم اس کا دل سے یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہم تو اللہ کی ملکیت ہیں اور مالکِ حقیقی کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ پس جو کچھ ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں، سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جا کر مل رہے گا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے تین فائدے

پہلا فائدہ

یہ کہ ہم تمام سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، ہم خود بھی اور ہماری ہر شے بھی حقیقۃً ہماری اپنی نہیں۔ نہ بیوی، نہ بچے، نہ مال، نہ جائیداد، نہ جسم و جان۔ انسان کے رنج و غم اور درد و حسرت کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے اور جب ذہن سے یہ خیال نکال دیا جائے اور سمجھا جائے کہ جو چیز بھی ہے سب اللہ کی ہے، تو پھر رنج و ملال کا موقع ہی نہیں رہتا۔

دوسرا فائدہ

یہ کہ دنیا کی رنج و تکلیف خواہ کتنی ہی بڑی ہو سب آنی جانی فانی اور عارضی ہیں، یہ ختم ہو جائیں گی اور عنقریب انہیں چھوڑ کر مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضری دینی ہوگی اس لئے ان سے گھبرانا کیا۔

تیسرا فائدہ

یہ کہ مصیبتیں اور آزمائشیں یونہی بیکار نہیں، ان کا اجر و ثواب عالم آخرت میں ضرور ملے گا جو انہیں صبر سے برداشت کر گیا، حق پر ثابت قدم رہا، اور مقصد حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اُسے اس استقامت کا اجر ضرور ملے گا۔

مصیبت کا مفہوم عام ہے

یہاں لفظ مصیبت کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیئے جو بہت وسیع اور عام ہے۔ جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گذرے بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے اور اس پر

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کو پڑھنا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک رات آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں چراغ گل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' جو چیز باعثِ قلق ہو اور اس کو دل سے کچھ تعلق ہو اس کا جاتا رہنا مصیبت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز آنخضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ نے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

پڑھا اور فرمایا کہ یہ بھی مصیبت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کہیں سے تشریف لائے اور آپ کے انگوٹھے میں کانٹا چبھا ہوا تھا تو اس کے درد سے بار بار یہ کلمہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

پڑھ رہے تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب مسلمان کو مصیبت کسی بھی نوع کی پہنچتی ہے اور وہ یہ کلمہ بار بار پڑھتا ہے تو اس مصیبت کے عوض نیکی ملتی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ خاص میری امت کو ملا ہے۔ پچھلی امتوں کو عنایت نہیں ہوا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کلمہ پچھلے پیغمبروں کو بھی نہ ملا تھا، ان کی امتوں کا تو ذکر ہی کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج یا مصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گذر جائے اور پھر وہ مصیبت اسے یاد آجائے اور وہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

پڑھے۔ تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بچہ کو دفن کیا، ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا ہی تھا کہ ایک دوسرے صحابی نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتے ہیں کہ تو نے میرے بندہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا تو اس بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ خدایا تیری تعریف کی اور

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام ''بَیْتُ الْحَمْد'' رکھو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تب بھی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

پڑھے۔ کیونکہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔

(مشکوۃ عن شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبتوں کی تلافی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مصیبت کے وقت

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کی تلافی فرمادیں گے اور اس کی آخرت اچھی کریں گے اور اسے ضائع شدہ چیز کے بدلے اچھی چیز عطا فرمائیں گے۔ (درمنثور)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ چار عادتیں جس میں جمع ہو جاویں اس کے لئے بہشت میں گھر بنتا ہے:
اول یہ کہ اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرے۔
دوسرے یہ کہ مصیبت میں
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ پڑھے۔
تیسرے یہ کہ نعمت الٰہی پر
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے
اور چوتھے یہ جب کوئی گناہ اس سے ہو جائے تو
اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ کہے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

کی حقیقت نصیب فرمائیں اور ہر ناگواری کے موقع پر اس کو وردِ زبان رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

بیماری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ ہے

۱. عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الخدری رضی اللّٰہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ وَلاَ ھَمٍّ وَلاَ حُزْنٍ وَلاَ اَذًیٍ وَلاَ غَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَۃَ یُشَاکُھَا اِلاَّ کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہ. (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: مردِ مومن کو جو بھی دُکھ، اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج وغم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔''

۲. عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

لاَ یَزَالُ الْبَلاَءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ
وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ تَعَالیٰ وَمَا عَلَیْهِ
مِنْ خَطِیْئَةٍ. (رواہ الترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ:
اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی
بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور
حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر، کبھی
اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے
نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک
کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں
پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا۔''

صبر......رفعِ درجات کا سبب ہے

۳. عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ خَالِدِ السُّلَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ
عَنْ جَدِّهٖ رضی اللّٰه عنهم قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ
اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ یَبْلُغْهَا

بِعَمَلِهٖ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ فِیْ جَسَدِهٖ اَوْفِیْ مَالِهٖ
اَوْفِیْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلٰی ذَالِکَ حَتّٰی
یُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰه.

رواہ احمد و ابو داؤد

"محمد ابن خالد سلمی اپنے والد سے روایت کرتے
ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہٖ وسلم نے فرمایا: کسی بندۂ مومن کے لئے اللہ
تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے
جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو
کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے
کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو
صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان
مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے)
اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اس کیلئے پہلے سے
طے ہو چکا تھا۔"

فائدہ

اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو
بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ

عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال واحوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادا پسند کر کے یا خود اس کی یا اس کے حق میں کسی دوسرے بندے کی دعا قبول کر کے اس کو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب وحوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم.

بیماری کی حالت بھی ایک نعمت ہے

عن ابی مسعود رضی اللہ عنھا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجب للمؤمن و جزعہ من السقم ولو کان یعلم مالہ من السقم احب ان یکون سَقَمَ الدھر ثم ان رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم رفع راسہ الی السماء فضحک فقیل یا رسول اللہ لِم رفعت راسک الی السماء فضحکت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

والہٖ وسلم عجب من ملکین کانا یلتمسان عبدا فی مصلیٰ کان یصلی فیه فلم یجداه فرجعا فقالا یا ربنا عبدک فلان کنا نکتب له فی یومه ولیله عمله الّذی کان یعمل فوجدناه حبسته فی حبالک قال الله تبارک و تعالیٰ اکتبوا لعبدی عمله الذی کان یعمل فی یومه ولیلته ولا تنقصوا منه شیئًا علّی اجره ماحسبته وله اجر ما کان یعمل. (الترغیب و الترهیب ص ۱۴۲ ج ۴)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعجب ہے، مؤمن کیلئے کہ وہ بیماری سے گھبراجاتا ہے، اگر اس کو پتہ ہوتا اس اجر وثواب کا جو بیماری کی وجہ سے اس کو ملے گا تو وہ یہ پسند کرتا کہ پورا زمانہ (زندگی) بیمار ہوتا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ ہنسے تو کہا گیا کہ یارسول اللہ آپ سر اٹھا کر کیوں ہنسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تعجب ہوا دو فرشتوں پر کہ یہ آئے

ایک بندے کو اس کے عبادت گاہ میں تلاش کرتے تھے
جس میں ہمیشہ وہ شخص نماز پڑھتا تھا تو ان فرشتوں نے
اس شخص کو نہیں پایا پس وہ فرشتے واپس چلے گئے اور کہنے
لگے یا اللہ ہم تیرے فلاں بندے کیلئے رات و دن اس
کے وہ عمل لکھتے تھے جو وہ کرتا تھا (آج) ہم نے اس کو
ایسی حالت میں پایا ہے کہ آپ نے اس کی روح کو اپنی
رسیوں میں روکا ہوا ہے (یعنی اس کو ماردیا) تو اللہ تعالیٰ
نے فرمایا (اے فرشتوں) لکھو میرے اس بندے کیلئے
اس کا وہ عمل جو وہ زندگی میں رات و دن میں کرتا تھا اس
کے اجر وثواب میں سے کچھ بھی کم نہ کرو مجھ پر اس کا اجر و
ثواب ہے کہ میں نے ہی اس کی روح کو روکا لہٰذا اس
کے لئے اس کے عمل کا اجر وثواب ہے جو وہ کرتا تھا۔"

مومن اور منافق کی بیماری کا فرق

عَنْ عَامِرِ الرَّامی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ
ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ
الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ
ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا

مَضیٰ مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِیْمَا یَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِیَ کَانَ کَالْبَعِیْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ یَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ. رواہ ابوداؤد.

''حضرت عامر رامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا: (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ: جب مرد مومن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کہ کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔''

فائدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہیئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑی خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، اعمال کی کمی کسر پوری ہوتی ہے اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت ہی کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل

ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

دکھ و تکلیف پر موت کی تمنا نہ کیجئے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وسَلَّمَ لاَ یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ فِیْ ضَرٍّ اَصَابَهُ فَاِنْ کَانَ لاَبُدَّ فَاعِلاً فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ. رواہ البخاری ومسلم

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دُکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔“

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لاَ

يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اَمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ اَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَاَمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهُ اَنْ يَسْتَعْتِبَ.

(رواه البخاری)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اس کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے۔''

فائدہ

زندگی میں اس قسم کے حالات آتے رہتے ہیں، بیماری و آزاری ہے دکھ و تکلیف بھی ساتھ ہے، ہمارے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ دکھ و تکلیف پر صبر سے کام لے اور اللہ تعالیٰ سے حالات کی بہتری کی دعا کرے۔ موت کی تمنا اور دعا ہرگز نہ کرے یہ کم ہمتی اور بے صبری اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، اپنی جان کو ختم کرنے کی بھی غلط کوشش نہ کرے یہ جان و جسم کے ہم مالک نہیں، اللہ کی

امانت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابجا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے یعنی خاتمہ کرنے سے بھی سختی سے منع فرمایا اور یہاں تک فرمایا کہ یہ حرام موت کہلائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا کہ حالات سے تنگ آکر کوئی شخص موت کی تمنا اور خواہش کرنا شروع کردے اور رات دن اس کی دعا کرتا رہے۔ یہ دکھ وتکلیف ہمارے لئے اجر کا باعث ہے اور اللہ کے یہاں بڑے درجات کا سبب اور ذریعہ ہے، لہٰذا اللہ سے عافیت کا سوال کرتا رہے اور دکھ وتکلیف کو دور کرنیکی دعا کرتا رہے۔

قیامت کے دن اہلِ عافیت لوگوں کی تمنّا وحسرت

عَنْ جَابِرٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوَدُّ اَھْلُ الْعَافِیَۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حِیْنَ یُعْطٰی اَھْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْاَنَّ جُلُوْدَھُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا بِالْمَقَارِیْضِ۔ (رواہ الترمذی)

”حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب

رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو
وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے رہے حسرت
کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے
کاٹی گئی ہوتیں (اور یہ عظیم اجر و ثواب ہمیں بھی ملتا)۔''

صبر کرنے والوں کے لئے تین بشارتیں

قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے۔

اُولٰئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ .(البقرة:۱۵۷)

''(۱) ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی۔ (۲) اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، (۳) اور وہ ہدایت یاب ہوں گے۔''

لفظ صلوات 'صلاۃ' کی جمع ہے، صلاۃ رحمت کو کہتے ہیں، اور یہاں صلوات کے ساتھ لفظ رحمت بھی مذکور ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ رحمت بطورِ تاکید کے لایا گیا ہے۔

وکرّر الرحمة لما اختلف اللفظ تاکید او اِشباعا للمعنی (قرطبی ج ۲ ص ۱۷۷)

''مفسر بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لفظ
صلاۃ کی نسبت ہو تو اس سے تزکیہ اور مغفرت مراد
ہوتی ہے اور اس کو جمع لانے میں اس کی کثرت پر اور
اس کی مختلف انواع پر تنبیہ فرمائی اور رحمت سے مراد
لطف اور احسان ہے۔''

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صلاۃ سے عام مہربانیاں اور رحمت سے خاص رحمت مراد ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صابرین کے لئے صلوات اور رحمت کے وعدہ کے ساتھ ہی جو ان کو ہدایت یافتہ بتایا اور ان کی شان میں المهتدون فرمایا، یہ زائد چیز بھی بہت عمدہ ہے۔ رحمتوں کا وعدہ بھی اور ہدایت پر ہونے کا اعلان بھی یہ سب کچھ نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے۔

مؤمن کا ہر حال میں فائدہ ہی فائدہ ہے

عن صهيب رضى الله عنه قال قال رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم عجباً لامر المؤمن
ان امره كله له خير و ليس ذالك باحد الا
لمؤمن ان أصابته سرّا شكر فكان خيرًا له
وان أصابته ضرّآء صبر فكان خيراً له .

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا مؤمن کا
معاملہ کس قدر اچھا ہے اس کے جملہ امور اس کیلئے
خیر و برکت کا باعث ہیں اور یہ استحقاق صرف مؤمن
کو حاصل ہے اگر اس کو کوئی خوش کن بات پہنچتی ہے تو
وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کیلئے بہتر ہے لیکن اگر
اس کو تکلیف دہ خبر پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی
اس کے حق میں بہتر ہے۔''

فائدہ

مؤمن کو جتنی بڑی مصیبت پہنچتی ہے اس کو اتنا ہی بڑا اجر ملے گا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے۔

**يقول الله تعالیٰ مالعبدی المؤمن عندی
جزاء اذا قبضت صفيه من اهل الدنيا ثم
احتسبه الا الجنة.**

(بخاری از رياض الصالحين)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے پاس مؤمن بندہ
کیلئے جب میں اس کی دنیوی محبوب چیز کو چھین لوں
اور وہ صبر کرے تو سوائے جنت کے کوئی بدلہ نہیں۔''

اولاد کے حادثہ پر صبر کا نتیجہ جنت میں محل

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ والہٖ وسلم اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ لِمَلَائِکَتِہٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَۃَ فُؤَادِہٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَکَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ. (رواہ احمد و الترمذی)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:
جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے:
تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ: تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ: اس بندہ

نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟)
فرشتے عرض کرتے ہیں کہ: اس بندے نے آپ کی
حمد بیان کی، اور
" اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔
(یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ
کر جانے والے ہیں)، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اُسکے
اس صابرانہ رویہ پر) اس کے لئے جنت میں ایک
عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بَيْتُ الْحَمْد رکھو۔"

صبر معیّت خداوندی کا ذریعہ ہے

یہ پکی بات ہے اپنے دلوں پر لکھ لیجئے، اللہ رب العزت کو صبر کرنے والوں سے محبت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰه مع الصَّابِرِين.

"بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی معیت جن کو نصیب ہے، جس کے ساتھ پروردگار ہوتا ہے پھر کوئی بندہ اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ صابروں کے لئے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ اگر حکومت کا کوئی

معمولی درجہ کا آدمی بھی یقین دلا دے کہ فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس سے بڑی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ طبیعت میں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا کہ میں صبر والوں کے ساتھ ہوں اس وعدہ پر عموماً لوگ یقین نہیں رکھتے اور صبر کے موقعہ پر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مومن کو کسی بھی جگہ ناکام ہونے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر میں اور صبر و صلاۃ میں لگا رہے پھر اس کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اگر اپنی بات کہنی ہو تو فقط اللہ کے سامنے کہیں۔ اس پروردگار نے یہ حالات بھیجے ہیں۔ جو بھیجنے والا ہوتا ہے، حالات کو واپس بھی وہی لے لیا کرتا ہے، ہم اس کے در پہ تو جاتے نہیں اور ہم اس کے علاوہ ہر در کے اوپر جا رہے ہوتے ہیں۔ در در پر ہاتھ پھیلا رہے ہوتے ہیں، شکوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا صبر کیا جائے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے گناہوں کو بھی معاف فرما دیتے ہیں اور اپنی معیت بھی نصیب فرماتے ہیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ صبر کی اعلیٰ مثال

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ سفر پر گئے ہوئے تھے، ان کا ایک بیٹا تھا جو حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھا۔ سفر پر جانے کے بعد (واپسی والے دن) ان کے بیٹے کا انتقال

ہو گیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر کے دوسرے لوگوں کو منع کر دیا کہ ابوطلحہ کو فوری نہ بتایا جائے۔ شام کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے تو بچے کی خیریت پوچھی۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ اب سکون میں ہے۔

انہوں نے اطمینان سے کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے آپ کو سنوارا بنایا، رات کو بیوی کی طرف میلان بھی ہوا، بیوی نے بے انتہا صبر کیا اور اس سے بھی انکار نہیں کیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب دیکھا کہ وہ مطمئن ہو گئے ہیں تو (صبح) انہوں نے (مسئلہ کے طور پر) ایک بات پوچھی: اے ابوطلحہ! جب کسی سے کوئی چیز عاریتاً لی جائے اور پھر وہ لوگ اپنی چیز کی واپسی کا مطالبہ کریں تو عاریتاً لینے والے کو اس چیز کے روکنے اور نہ دینے کا حق ہے؟

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انہیں روکنے کا کوئی حق نہیں (مستعار لی ہوئی چیز تو ہر حال میں واپس ہی کرنا ہے کیونکہ وہ تو امانت ہے)۔

یہ سن کر حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ تمہارا بیٹا (جو اللہ کی امانت تھا اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے) فوت ہو چکا ہے۔ اب اس کے دفن کا انتظام کرو۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا تو غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے مجھے رات کو یہ بات کیوں نہ بتائی؟

انہوں نے فرمایا کہ رات کو تدفین میں مصیبت اٹھانی پڑتی اور پوری رات پریشان رہتے۔ کھانا بھی نہ کھاتے، اس لیے رات کو خبر نہ کی۔

تدفین کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا پورا واقعہ ذکر کیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ام سلیم کا عمل بہت پسند آیا اور دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا فِيْ غَابِرِ لَيْلَتِكُمَا

''اللہ تعالیٰ تمہاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس رات کے نتیجے میں ان کو بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام عبداللہ رکھا اور ان کے اس صاجبزادے سے نو بیٹے قرآن کریم کے حافظ اور عالم ہوئے۔ (اصلاحی مواعظ بحوالہ مسلم شریف، جلد۲)

فائدہ

مذکورہ احادیث میں ایسے ہی ماں باپ کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ جس کے بچے نابالغی کی حالت میں مرجائیں اور وہ اس پر

صبر کرلیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاصہ عطا فرمائیں گے اور جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اسی کا نام صبر اور رضا بالقضاء ہے کہ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کردے۔ جزع فزع اور بے صبری کا معاملہ اختیار نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی کی امانت تھی، اسی نے واپس لے لی تو انشاء اللہ ہماری جنت پکی ہے۔

(اللہ تعالیٰ صبر اور حوصلہ عطا فرمائے آمین)

صبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جنت ہے

اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی، اس لئے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی لَمْ اَرْضَ لَکَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّۃِ.(رواہ ابن ماجہ)

"حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزندِ آدم! اگر تو نے
شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی
نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم
کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔"

فائدہ

جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گذرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اُسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اسکے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدا تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔

اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہِ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔

گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال تنصب الموازین فیؤتی باھل الصدقة فیوفون اجورھم بالموازین و کذالک الصلوٰة والحج ویؤتی باھلِ البلاء فلاینصب لھم میزان ولاینشرلھم دیوان ویصب علیھم الأجر بغیر حساب قال اللہ تعالیٰ انما یوفیٰ الصٰبرون اجرھم بغیر حساب حتی یتمنیٰ اھل العافیة فی الدنیا أن أجسادھم تقرض

بمقاريض مما يذهب به أهل البلاء من الفضل. (قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۵)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میزان عدل قائم کیا جائے گا اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا اجر دے دیا جائے گا اسی طرح نماز حج وغیرہ عبادات والوں کی عبادات تول کر حساب سے ان کا اجر پورا دے دیا جائے گا پھر جب بلاء اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں گے تو ان کیلئے کوئی کیل اور وزن نہیں ہوگا بلکہ بغیر حساب و اندازہ کے ان کی طرف اجر وثواب بہا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (انما یوفّی الصبرون اجرھم بغیر حساب) یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیاوی زندگی عافیت میں گزری تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدن قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔''

فائدہ

جب کسی بندۂ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کر لے، تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً مغفرت و جنت بھی عطا ہوگی۔

مصائب پر شکوہ و شکایت نہ کرنے پر مغفرت کا وعدہ

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما رَفَعَهُ مَنْ اُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ فِيْ مَالِهٖ اَوْفِيْ نَفْسِهٖ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا اِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَغْفِرَ لَهٗ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔“

فائدہ

صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تنگی کے بعد دو آسانیاں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا.

''بیشک ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے اور بیشک ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔''

فائدہ

اس کو دو مرتبہ کہا حالانکہ بات تو ایک دفعہ ہی کہہ دینا کافی تھی، مگر رب کریم نے دو مرتبہ جو بات کو دہرایا تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی۔ لہٰذا مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تنگی پر بندہ صبر کر لیتا ہے تو اللہ رب العزت ایک تنگی کے بدلے اسے دو آسانیاں

عطا فرماتے ہیں، تنگی ایک ہوتی ہے خوشیاں دو مل جاتی ہیں، لہٰذا صبر کیجئے اور اس تنگی اور پریشانی کا بدلہ دگنا پا لیجئے۔

آنکھوں سے آنسو بہہ جانا صبر کے منافی نہیں

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قَالَ اَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اَنَّ اِبْنًا لِیْ قُبِضَ فَأْتِنَا فَاَرْسَلَ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُبْنُ عُبَادَةَ وَمَعَاذُبْنُ جَبَلٍ وَاُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُبْنُ ثَابِتٍ وَّرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وآلِهٖ وَسَلَّمَ الصَّبِیُّ وَنَفْسُهٗ يَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ. (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت

زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے، اور چل چلاؤ کا وقت ہے، لہذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اسکے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے، الغرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہئے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر وثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اُٹھ کر چل دیے، اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اُٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، اور اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا، اسکے اس حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ
عنہ نے عرض کیا: حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ: یہ
رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر
ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل
سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی
رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔''

فائدہ

حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا
متاثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ
صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر یقین
کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور
اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔

باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا
تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ
نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص
نعمت ہے، اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے
محروم ہے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کی آنکھوں

سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب کے ساتھ سوال اسلئے کیا کہ اس وقت تک
ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دل کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا
صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ایک تعزیتی خط حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام اور صبر کی تلقین

عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ
اِبْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
التَّعْزِيَةَ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط مِنْ
مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ
عَلَيْكَ فَاِنِّىْ اَحْمِدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ
وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ
فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ
اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ
اللّٰهُ بِهٖ فِىْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ
بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ الصَّلٰوةُ وَ. الرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ
اِحْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزْعُكَ
اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزْعَ لَا يَرُدُّ

مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ
قَدَرَ وَالسَّلَامِ.

(رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
والہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ بھجوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی طرف
سے معاذ بن جبل کے نام، سلام علیک. میں پہلے تم
سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود
نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس
صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا
فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے
حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور
ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے
ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول
کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی
امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش
کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا

موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی تو اپنی اس
امانت کوتم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے
والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس
کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم
نے ثواب اور رضاءِ الٰہی کی نیت سے صبر کیا:
پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع وفزع
تمہارے قیمتی اجر کو غارت کردے اور پھر تمہیں
ندامت ہو(کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی
رہی) اور یقین رکھو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا
واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج وغم دور ہوتا ہے، اور
اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا
ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔" والسلام

فائدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں جس بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وہ یہ آیت مبارکہ ہے جو گذشتہ صفحات میں گذری

أُولٰئِکَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ، وَ
أُولٰئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ. (سورة البقرة:۱۵۷)

''اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت
سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص
نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کیلئے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت نامہ سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا بے مثال صبر

وعن ابنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه قَالَ كَاَنِّی
اَنْظُرُ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُحْكِیْ نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَآءِ ضَرَبَهٗ قَوْمُهٗ فَاَدْمَوْهُ
وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ
اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

گویا میں اس وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ
وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک ایسے نبی علیہ السلام کا
قصہ بیان فرما رہے ہیں، جن کو ان کی قوم نے مارا اور
لہولہان کر دیا لیکن وہ نبی (بجائے اس کے کہ اپنی قوم
کی طرف سے بغض و نفرت میں مبتلا ہوتے، اور ان
کے حق میں بد دعا کرتے، بلکہ صبر و تحمل کا دامن پکڑے
ہوئے) اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور
یہ کہتے جاتے تھے، ''اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ
لوگ میری حقیقت سے واقف نہیں ہیں''۔

فائدہ

''گویا میں اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہا ہوں''۔ کے ذریعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ واضح فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مذکورہ قصہ بیان فرمانا مجھے اچھی طرح یاد ہے اور اس وقت بھی اس وقت کا منظر میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔

''میری قوم کو بخش دے''۔ یعنی ان لوگوں کو درگزر فرما کہ انہوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اور جو تکلیف پہنچائی ہے اس کی وجہ سے ان کو اس دنیا میں کسی عذاب میں مبتلا نہ کرنا اور ان کا نام و

نشان نہ مٹاتا (بلکہ انہیں ہدایت دے کر معاف فرمادے اور انہیں بخش دے)۔

یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ کفار کی بخشش و مغفرت کی دعا اس معنی میں ہرگز جائز نہیں ہے کہ ان کا شرک و کفر معاف ہوجائے اور اگر وہ اپنے کفر و شرک کے ساتھ مرجائیں تو عذاب آخرت میں مبتلا نہ ہوں۔

''یہ لوگ میری حقیقت سے واقف نہیں ہیں'' یہ الفاظ گویا اُس نبی علیہ السلام کے کمالِ صبر و حلم اور حسن اخلاق کا مظہر ہیں کہ جو لوگ ان کو سخت ترین تکلیف پہنچا رہے ہیں، جنہوں نے ان کو لہولہان کر رکھا ہے، اور جو لوگ اپنے نبی کو اذیت پہنچا کر سب سے بڑا گناہ کر رہے ہیں، انہیں لوگوں کی طرف سے وہ نبی خدا کی بارگاہ میں یہ عذر بیان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے محض اس وجہ سے کیا ہے کہ اللہ و رسول کے بارے میں ان کے دل و دماغ پر جہل کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھوک کی حالت میں صبر

وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ شَكَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِهَا عَنْ حَجَرٍ
حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ
وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ عَنْ حَجَرَيْنِ.
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

’’اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دکھایا، (یعنی ہم میں سے ہر شخص نے بھوک کی شدت سے بیتاب ہوکر اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا جس کو ہم نے اپنا پیٹ کھول کر حضور کو دکھایا) تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے‘‘، ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔‘‘

فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں غزوہ خندق کے موقع کا واقعہ مذکور ہے، غزوہ خندق کا شمار بڑے سخت غزوات میں ہوتا ہے، اسی موقع کی کیفیت حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے حدیث مذکورہ میں بیان فرمائی ہے ایک طرف خندق کھودی جارہی تھی، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس

نفیس شریک تھے دوسرے سخت سردی کا زمانہ اور پھر کھانے پینے کی شدید قلت اور بھوک سے ایسی کیفیت و حالت کہ اس کے تصور سے کلیجہ شق ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے بھوک کی تکلیف کی شکایت کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے پیٹ کو دکھاتے ہیں، جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

اس صورت میں پیٹ پر پتھر باندھ لینا پیٹ و معدہ اور آنتوں کو اس حد تک تقویت پہنچا دیتا ہے کہ آدمی اپنا کام کاج کرنے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے پر تھوڑا بہت قادر ہو جاتا ہے، اور جب بھوک کی شدت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور ایک پتھر سے بھی کام نہیں چلتا تو پھر دو پتھر باندھنے پڑتے ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بھوک کی شدت زیادہ طاری تھی اور ویسے بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم زیادہ محنت وریاضت کے عادی تھے اس لیے آپ نے اپنے شکم مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے تھے، اور اس حالت میں بھی صبر و شکر کیے ہوئے تھے۔

غربت اور فقر پر صبر کرنے کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِّیْ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍ رضی اللہ عنہما و سَالَہٗ

رَجُلٌ قَالَ اَلَسْنَا مِنْ فُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُاللّٰهِ اَلَکَ امْرَأَةٌ تَاوِیْ اِلَیْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اَلَکَ مَسْکَنٌ تَسْکُنُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْاَغْنِیَآءِ قَالَ فَاِنَّ لِیْ خَادِمًا قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْمُلُوْکِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَجَآءَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ اِلٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَاَنَ عِنْدَهٗ فَقَالُوْا یَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّا وَاللّٰهِ مَا نَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ لَا نَفَقَةٍ وَلَا دَابَّةٍ وَلَا مَتَاعٍ فَقَالَ لَهُمْ مَا شِئْتُمْ اِنْ شِئْتُمْ رَجَعْتُمْ اِلَیْنَا فَاَعْطَیْنَاکُمْ مَا یَسَّرَ اللّٰهُ لَکُمْ وَاِنْ شِئْتُمْ ذَکَرْنَا اَمْرَکُمْ لِلسُّلْطَانِ وَاِنْ شِئْتُمْ صَبَرْتُمْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ فُقَرَآءَ الْمُهَاجِرِیْنَ یَسْبِقُوْنَ الْاَغْنِیَآءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَی الْجَنَّةِ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا قَالُوْا فَاِنَّا نَصْبِرُ لَا نَسْاَلُ شَیْئًا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

”حضرت ابوعبدالرحمٰن جبلی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا اصل نام عبداللہ بن زید مصری ہے اور جن کا شمار ثقہ تابعین میں ہوتا ہے) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے

سنا، جبکہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا اور کہا کہ کیا ہم ان فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں جن کے بارے میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ دولتمندوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے؟) حضرت عبداللہ نے (یہ سن کر) اس شخص سے پوچھا کہ کیا تم بیوی والے ہو کہ جس کے پاس تمہیں سکون وقرار ملتا ہو؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں! پھر حضرت عبداللہ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس مکان ہے جس میں تم رہائش اختیار کرو؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں مکان بھی ہے! حضرت عبداللہ نے فرمایا: تو پھر تم دولتمندوں میں سے ہو (یعنی تم ان مہاجرین کی حیثیت کے آدمی ہو جو فقر وافلاس میں مبتلا نہیں تھے، فقراء مہاجرین میں تمہارا شمار نہیں ہوسکتا کیونکہ ان فقراء کے پاس نہ بیوی تھی نہ گھر بار تھا، یا اگر کسی کے پاس ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز تھی تو دوسری چیز سے محروم تھا) اس شخص نے (جب یہ سنا کہ حضرت عبداللہ نے بیوی اور گھر والا ہونے کی وجہ سے اسے گویا دولتمند کہا ہے تو) کہا کہ میرے پاس ایک خادم بھی ہے، (یعنی غلام یا لونڈی)! حضرت عبداللہ نے فرمایا: ”تب تو تم بادشاہوں میں سے ہو (یعنی اس صورت میں تو تمہارا

شمار رئیسوں اور بادشاہوں میں ہونا چاہیے، تمہیں فقیر و مفلس کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن (راوی) نے یہ بھی بیان کیا کہ (ایک دن) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تین آدمی آئے، اس وقت میں بھی ان کی خدمت میں حاضر تھا، ان تینوں نے کہا: "ابو محمد! بخدا ہم کسی چیز کی استطاعت نہیں رکھتے، نہ تو خرچ کرنے کی (کہ حج کو جاسکیں) نہ کسی جانور کی (کہ جہاد میں شریک ہوسکیں) اور نہ کسی دوسرے سامان کی (کہ جس کو فروخت کر کے اپنے ضروری مصارف پورا کرسکیں) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ان کی بات سن کر) فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تمہاری (یہ) خواہش ہے کہ (میں تمہارے ساتھ معاونت کروں اور تمہیں اپنے پاس سے کچھ دوں) تو تم لوگ پھر کسی وقت آنا، میں تمہیں وہ چیز دوں گا جس کا خدا تمہارے لیے انتظام کر دے گا (کیونکہ تمہیں دینے کے لیے اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے) اور اگر تم چاہو تو میں تمہاری حالت بادشاہ (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بیان کر دوں (وہ

تمہیں اپنی عطاء سے فارغ البال کر دیں گے) اور
سب سے بہتر بات یہ ہے کہ) اگر تم (اہل کمال کا
رتبہ حاصل کرنا) چاہو تو صبر کرو (یعنی اپنی اسی حالت
فقر و افلاس پر استقامت اختیار کرو) کیونکہ میں نے
رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا ہے کہ فقراء مہاجرین قیامت کے دن جنت میں
دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جائیں گے"۔ ان
تینوں نے (یہ حدیث سنی تو) کہا کہ " بے شک ہم صبر و
استقامت ہی کی راہ اختیار (کرنے کا عہد) کرتے
ہیں، اب (ہم آپ سے) کچھ نہیں مانگتے (یا یہ کہ
اب آئندہ ہم کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے)۔"

مال و دولت کی کمی پر صبر ایک نعمت ہے

وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اثْنَتَانِ
يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ
خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ
وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ.

''اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو چیزیں ایسی ہیں جن کو ابن آدم (انسان) ناپسند کرتا ہے (اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ دونوں چیزیں بہت اچھی ہیں) چنانچہ انسان ایک تو موت کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ مومن کے لیے موت فتنہ سے بہتر ہے، دوسرے مال و دولت کی کمی کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا موجب ہے۔''

فائدہ

''فتنہ'' سے مراد ہے کفر و شرک، اور گناہوں میں گرفتار ہونا، ظالم و جابر لوگوں کا ایسے کام کرنے پر مجبور کرنا جو اسلامی عقائد و تعلیمات کے خلاف ہوں، اور ایسے حالات سے دوچار ہونا جن سے دنیا و آخرت کی زندگی مجروح ہوتی ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی اور زندہ رہنے کی تمنا تو اسی صورت میں خوب ہے، جبکہ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ طاعات و عبادات کی توفیق عمل حاصل رہے، راہ مستقیم پر ثبات قدم نصیب ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ

رخصت ہو۔ اگر یہ چیزیں حاصل نہ ہوں اور ایمان کی سلامتی نصیب نہ ہوتو پھر یہ زندگی کس کام کی؟ ظالم و جابر لوگوں کی طرف سے جبر و اکراہ کی صورت میں اگرچہ دل، ایمان، عقیدہ پر قائم رہے مگر زبان سے ایسی بات کا ادا ہونا کہ جو ایمان و عقیدہ کے مناسب و لائق نہیں ہے، یہ بھی ایک ''فتنہ'' ہی ہے، ہاں اگر فتنہ کا تعلق کسی اور طرح کے دنیاوی ابتلاء و مصائب، زندگی کی سختیوں اور نفس کی مشقت و شدائد سے ہوتو ایسی صورت میں زندگی سے نفرت اور موت کی تمنا درست نہیں ہوگی کیونکہ ایسا فتنہ گناہوں کے کفارہ اور اخروی درجات کی بلندی و رفعت کا سبب ہوتا ہے۔

وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ.

کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کی کمی، عذاب سے بعید تر ہے اور ہر مسلمان کے لیے بہتر ہے۔ لہٰذا جو مسلمان تنگدست و غریب ہو اس کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال و دولت کی فراوانی سے بچا کر گویا آخرت کے حساب و عذاب سے بچایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں غربت و ناداری کی وجہ سے جو سختیاں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ ان سختیوں اور ہولناکیوں سے کہیں کم اور آسان تر ہیں جو مال و دولت کی فراوانی کے وبال کی وجہ

سے آخرت میں پیش آئیں گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ............

خلاصہ کے طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو راحت اور تکلیف دونوں کا مجموعہ بنادیا ہے، یہاں نہ صرف راحت ہر ایک کو ملتی ہے، اور نہ صرف تکلیف بلکہ ہر شخص کے ساتھ غم ملا ہوا ہے اور یہ آزمائش کیلئے ہے، اور اسی آزمائش کے وقت انسانوں کی دو قسمیں بن جاتی ہیں:

(۲) صبر والے لوگ (۲) بے صبرے لوگ

اور صبر والوں کو ہی مختلف بشارتیں دی گئی ہیں۔
جسکی تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی بھی توفیق عطا فرمائے اور اس صبر پر جو وعدے رحمت و مغفرت کے ہیں، اس میں سے بھی ہمیں وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شکر کی اہمیت و فضیلت

اور

اہل شکر کے ایمان افروز واقعات

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ اجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

شکر کا جذبہ پیدا کرنے کی تدبیر

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انْظُرُوْا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ. فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ. (مسلم)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو تم سے مال و دولت اور دنیاوی جاہ و مرتبہ میں کم ہیں ان کی طرف دیکھو (تو تمہارے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوگا) اور ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جو تم سے مال و دولت میں اور دنیاوی ساز و سامان میں بڑھے ہوئے ہیں تاکہ جو نعمتیں تمہیں اس وقت ملی ہوئی ہیں وہ تمہاری نگاہ میں حقیر نہ ہوں۔ (ورنہ تمہارے اندر اللہ کی ناشکری کا جذبہ ابھر آئیگا)۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلّی علیٰ رسوله الکریم .

امّا بعد!

فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحیم

قال الله تعالیٰ : فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ

وَاشْكُرُوا لِی وَلاَ تَكْفُرُوْنَ.

(صدق الله العظیم)

"(ان مذکورہ نعمتوں پر) مجھ کو (منعم ہونے کی حیثیت

سے) یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور

میری نعمت کی شکر گذاری کرو اور (انکار نعمت یا ترکِ

اطاعت سے) میری ناشکری مت کرو۔"

آیت مبارکہ کے حوالہ سے آج کی نشست میں کچھ باتیں شکر

سے متعلق عرض کرنی ہیں۔

یاد رکھیے۔ انسان کو دو قسم کی حالتیں پیش آتی ہیں، مصیبت اور تکلیف یا نعمت اور راحت،...... اگر کوئی تکلیف آجائے تو وہ صبر کا مطالبہ کرتی ہے ...... اور اگر کوئی نعمت حاصل ہو تو وہ شکر کا مطالبہ کرتی ہے۔

مومن ہر حال میں فائدے میں رہتا ہے

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجبا لامر المؤمن ان امره كله له خير وليس ذالك الا للمؤمن ان اصابته ضراء صبر فكان خيرله وان اصابته سراء شكر فكان خيرله (مسلم)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی حالت بھی عجب ہوتی ہے وہ جس حال میں بھی ہوتا ہے خیر اور بھلائی ہی سمیٹتا ہے اور یہ مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں اگر وہ تنگدستی، بیماری اور دکھ کی حالت میں ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے اور اگر کشادگی کی حالت میں ہوتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے، اور یہ دونوں حالتیں اسکے لئے بھلائی کا سبب بنتی ہیں۔''

آیت مذکورہ میں امت مسلمہ کیلئے تین حکم

۱۔ پہلا حکم یہ دیا گیا کہ منعم حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر دم یاد رکھو۔

فَاذْكُرُوْنِیْ أَذْكُرْكُمْ: تفسیر بیضاوی میں اس کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ:

فَاذْكُرُوْنِي بِاِطَاعَتِيْ اَذْكُرْكُمْ بِالثَّوَابِ.

”تم مجھے اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب دیکر یاد کروں گا دل سے، زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ بھی یادِ خداوندی ہے اور فرمانبرداری اور اطاعت میں لگنا یہ بھی اللہ کی یاد ہے، اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دینا یہ بھی اللہ کی یاد ہے۔“

محققین نے فرمایا:

کل مطیع لله فهو ذاکر.

”ہر وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری میں مشغول ہو وہ اللہ کو یاد کرنے والا ہے۔“

تفسیر معارف القرآن ج ۱ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تفسیر قرطبی کے حوالے سے ایک حدیث بھی اسی مضمون کی نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جس نے اللہ کی اطاعت کی یعنی اسکے احکام حلال وحرام کی اتباع کی، اس نے اللہ کو یاد کیا، اگرچہ اسکی

(نفل) نماز روزہ وغیرہ کم ہوں ، اور جس نے احکام
خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا اگر چہ
(بظاہر) اسکی نماز روزہ تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم طاعات بجالا کر مجھے یاد کرو میں تمہیں اپنی عنایات وامداد کے ساتھ تمہیں یاد کرونگا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فَاذْكُرُوْنِیْ یعنی اللہ کی یاد کی تفسیر ہی طاعات وفرمانبرداری سے کی ہے وہ فرماتے ہیں:

فمن لم یطعہ لم یذکرہ وان کثر
صلوتہ وتسبیحہ.

"جس نے اللہ کے احکام کی پیروی نہ کی اس نے اللہ
کو یاد نہیں کیا اگر چہ ظاہر میں اس کی نماز اور تسبیح کتنی
بھی زیادہ ہو۔"

ان تینوں اقوال کے مطابق معنی آیت کے یہ ہوئے کہ تم مجھے اطاعت احکام کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔ (از معارف القرآن ج۱)

لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر پوری ہمت اور شوق سے چلتا رہے، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے

کھاتے پیتے ،غرض ہر وقت ہر کام میں ، ہر حال میں ہر آن میں اللہ تعالیٰ کا حکم ،اس کی رضا اور پسند کو مقدم رکھے اور اپنی یاد کے لئے جو طریقہ حق تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس پر قائم رہے، اسکے صلہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تم پر دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں اپنے خاص فضل وکرم کی بارش کرتا رہوں گا اور تم پر رحمتیں وعنایتیں ہوتی رہیں گی اور تم کو اجر وثواب اور مزید انعام واکرام سے نوازتا رہوں گا۔

ایک ضروری وضاحت

فاذکرونی اذکرکم ذکر کے اصلی معنیٰ یاد کرنے کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اسلئے کہا جاتا ہے کہ زبان قلب کی ترجمان ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص زبان سے ذکر وتسبیح میں مشغول ہو مگر دل اس کا حاضر نہ ہو اور دل ذکر میں نہ لگے تو وہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ (از معارف القرآن ج۱)

اسی حوالہ سے آنے والی احادیث مبارکہ دیکھئے۔

اللہ کا ذکر اور اسکی یاد بڑی نعمت ہے

بخاری شریف کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کریں۔

(بخاری ج۱)

صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اگر بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو بھی اسی طرح یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں کی جماعت) میں یاد کرتا ہوں“۔

اللہ تعالیٰ کی یاد بھی اس کی نعمت کا ایک شکرانہ ہے کہ بندہ اس یاد سے اپنے پروردگار کی شان کو اپنے دل کا نقش بناتا ہے اور اس کی یاد سے راحت حاصل کرتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ جو شخص حقیقی طور پر اللہ

کو یاد کرتا ہے وہ اس کے مقابلے میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے اور پھر اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے ساری چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام چیزوں کا عوض اس کو عطا فرمادیتے ہیں۔

(معارف القرآن ج ۱)

اللہ کی یاد بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ جو بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد فرماتے ہیں، حضرت ابوعثمان نہدیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ تعالیٰ ہمیں یاد فرماتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے، فرمایا اسلئے کہ قرآن کریم کے وعدے کے مطابق جب کوئی بندہ مومن اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتے ہیں اسلئے سب کو سمجھ لینا آسان ہے کہ جس وقت ہم اللہ تعالیٰ کو یاد کریں گے اور اس کی یاد میں مشغول ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں یاد فرمائیں گے۔

(معارف القرآن ج ۱)

۲۔ دوسرا حکم امت مسلمہ کو اس آیت مذکورہ میں یہ دیا جارہا ہے کہ میری نعمتوں کا شکر اداء کرتے رہو، جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

واشکر اللہ تعالیٰ علی نعمتہ

''کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرو''

شکر کی ضد کفر ہے اور اسلام کی لغت میں کفر سے زیادہ برا لفظ کوئی نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کفر کے بالمقابل شکر سب سے بہترین صفت ہے، شکر یہ ہے کہ محسن حقیقی کا زبان سے اس کی حمد وثنا کرے اور دل سے اس کا احسان مند رہے ، اور اپنے سارے اعضاء کو اس کی اطاعت میں لگا دے ، اب اس کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

شکر کے ادا کرنے کے تین طریقے

(۱) زبان کا شکر

زبان کا شکر یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرو کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل وکرم وعنایت سے ہمیں دی ہیں اس کو اپنی ذات کی طرف اپنی قوت کی طرف اپنے فہم وفراست کی طرف اپنے ہنر اور کسب کی طرف یا کسی اور مخلوق کی طرف اسے منسوب نہ کرو جن جن واسطوں سے اور جن جن ذرائع سے ہوتی ہوئی یہ نعمتیں تم تک پہنچی ہیں وہ صرف واسطوں کی حیثیت رکھتے ہیں ،نعمت عطا کرنے والے کی حیثیت نہیں رکھتے وہ کچھ بھی نہیں دے سکتے ، وہ صرف اسباب اور ذریعہ کے درجہ میں ہیں اور ان

اسباب کو مہیا فرما دینا بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، لہٰذا ان نعمتوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف منسوب کر کے زبان سے ان کا اقرار واعتراف کرو یہی زبان کا شکر ہے اور ساتھ ہی اللہ کی تعریف اس کی کبریائی اس کی حمد وثناء کرتے رہو۔

اللہ کی حمد وثنا اصل شکر ہے

بندوں کا یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں اس کی نعمتوں کو یاد کریں۔ جب انہیں استعمال کریں تو اللہ کی حمد وثنا میں مشغول ہوں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو دعائیں وارد ہوئیں، ان میں نعمتوں پر بار بار اللہ کی حمد کا اعادہ کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ

الحمد رأس الشكر ما شكر الله عبد لا يحمده. (رواه البيهقي في شعب الايمان كما في المشكوٰة ص ۲۰۱)

''اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔''

(۲) دل کا شکر

دل کا شکر یہ ہے کہ زبان سے اقرار واعتراف کے ساتھ

ساتھ دل میں ہمیشہ یہ عقیدہ رکھو کہ ہماری تمام حرکات وسکنات، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، ہماری تمام طاقت وقوت اور تمام صلاحیتیں اور ہماری تمام چیزیں اور ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے سب اسی کی ملکیت ہیں وہ جب چاہے اس میں ردوبدل کرسکتا ہے اور جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے سب اسی کی طرف سے ہیں، دل میں یہ مضمون اور یہ باتیں بھی ہمیشہ مستحضر رہے۔

(۳) اعضاء وجوارح کا شکر

بدن اور اعضاء وجوارح کے ساتھ شکر یہ ہے کہ تمام اعضاء ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان وغیرہ کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر انہیں اس کام میں مصروف رکھے جس کے واسطے حق تعالیٰ نے انہیں بنایا ہے، تو بدن کے جملہ اعضاء کو آخرت کے کاموں میں مشغول رکھنا یہ بھی شکر کا ایک اہم درجہ ہے۔

ہمارے اعضاء وجوارح کا حال

آج یہ ہاتھ استعمال ہورہا ہے اللہ کی نافرمانیوں میں پاؤں استعمال ہورہے ہیں اللہ کی نافرمانیوں میں زبان، کان، ناک، آنکھ، دل ودماغ تمام وجود کو اللہ کی نافرمانیوں میں استعمال کیا جارہا ہے، کیا یہی شکر ہے؟ نہیں بلکہ شکر یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام اعضاء کو اللہ

تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استعمال کرے اور اسے نافرمانیوں میں ہرگز استعمال نہ کرے۔

بندے کا کام یہ نہیں اور بندے کو یہ زیبا نہیں کہ اس کی نافرمانی کرے بندے کا کام بندگی بجالانا ہونا چاہیے جب یہ کام ہماری طرف سے ہوگا تو ہم شاکرین بندوں میں لکھ دیئے جائیں گے ،اور یہ بڑا اونچا مقام ہے۔

شکر بہت بڑی عبادت ہے

یہ شکر بہت بڑی عبادت ہے شکر سے بڑے درجات عطا کئے جاتے ہیں ، یہ ایسی عبادت ہے جس کو نصیب ہوجائے وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

سورہ نساء میں ارشاد خداوندی ہے:

مایفعل الله بعذابکم ان شکرتم وامنتم وکان الله شاکرا علیما

اگر تم شکر کرو اللہ کا اور اس کی نعمتوں کا اور ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کریگا، اور اللہ تو قدر پہچاننے والا علم رکھنے والا ہے۔(سورہ نساء)

شکر کرنے پر دنیاوی نعمتوں میں بھی برکت دی جاتی ہے اور

آخرت میں بھی نوازا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ شکر کا بدلہ ضرور عطا فرمائیگا۔

سورہ آل عمران میں ارشاد خداوندی ہے:

وسنجزی الشاکرین

''اور ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے''

اللہ تعالیٰ کا بندوں سے دو چیزوں کا مطالبہ

سورہ نساء کی مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دو چیزیں چاہتا ہے ایک شکر اور دوسرے ایمان ، انسان جب شکر کریگا تو اللہ کے عذاب سے بچا رہیگا اور ناشکرے پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

جان لیں کہ عبادات شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرے میں داخل ہے، ساری عبادتیں شکر ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شکر ہے، اپنے علم سے بندوں کو فائدہ پہچانا شکر ہے، بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا شکر ہے کمزور اور بے سہارا کی مدد کرنا شکر ہے، غرض کہ نیک کام کی توفیق مل جانا شکر ہے۔

شکر کا حاصل یہ کہ دل کی گہرائیوں سے چھوٹی بڑی نعمتوں کے ملنے پر اس کی حمد وثنا نکلے، خواہ نعمت پانی کے چند گھونٹ ہی کیوں نہ ہوں۔

واسطہ نعمت بھی قابل قدر اور قابل شکریہ ہیں

ہاں یہ ضرور ہے کہ جن واسطوں سے ہمیں نعمت ملی ہے ہمیں حکم ہے کہ ہم ان واسطوں کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں ان واسطوں کی تذلیل نہ کریں اگر تذلیل کریں گے تو نعمت مکدر ہو جائیگی۔

بلکہ نعمت چھن جائے گی غرضیکہ جتنے لوگ بھی واسطہ نعمت بنے ہیں ان سب کی قدر ہم پر واجب ہے کہ اللہ نے ان کو ہمارے لئے واسطہ بنایا، اگر چہ وہ بلا واسطہ بھی عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس میں بھی اس کی مصلحتیں ہیں لہذا ان کی قدر بھی کریں اور ان کا شکریہ بھی ادا کریں۔

ایک حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لم يشكر الله من لم يشكر الناس

"اس نے اللہ کا شرک ادانہیں کیا جس نے لوگوں
کا شکریہ ادانہیں کیا"

لہذا جن واسطوں سے ہمیں کوئی نعمت مل رہی ہے وہ بھی قابل قدر ہیں ان کا بھی احسان مند رہنا چاہیئے

۳۔ تیسرا حکم آیت مذکورہ میں یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، اس کی بخشی ہوئی طاقتوں اور قوتوں کی ناقدری اور ناشکری نہ کرو، ناشکری سے

نہ صرف نعمت چھن جاتی ہے، بلکہ شدید عذاب اور سزا بھی ملتی ہے۔

یہ آیت:

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْلِیْ وَلاَ تَكْفُرُوْنِ.

اگر چہ الفاظ کے لحاظ سے نہایت مختصر ہے مگر احکام کے لحاظ سے نہایت اہم ہے، جس میں ذکر اور شکر کا حکم ہے اور کفرانِ نعمت کی ممانعت ہے، ان تینوں میں سے دو حکم کی قدرے تفصیل سامنے آچکی ہے اب تیسرے حکم کی کچھ تفصیل دیکھئے۔

کفرانِ نعمت کیا ہے؟

کفرانِ نعمت یہ ہے کہ بندہ اس کی نعمتوں کا نہ زبان سے شکر ادا کرے نہ دل سے شکر ادا کرے اور نہ ہی اپنے اعضاء وجوارح کو اس کی اطاعت میں لگائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس نعمت کو جس غرض کے لئے پیدا کیا ہے اسے ہٹا کر کسی دوسرے کام، یا دوسری غرض میں صرف کرے مثلاً آنکھ کو اللہ تعالیٰ نے دو کاموں کے لئے پیدا کیا ہے، ایک تو یہ کہ انسان اس سے اس جہاں میں اپنی حاجات کی راہ سے واقف ہو، دوسرے یہ کہ وہ حق تعالیٰ کی عجیب وغریب مصنوعات کو دیکھے اور اللہ کی معرفت حاصل کرے اور اس کی عظمت سے واقف ہو۔ اب ان کے

علاوہ جب آنکھ کو کسی اور کام میں یعنی کسی معصیت اور گناہ میں یا کسی ناجائز کام میں لائے گا تو یہ آنکھ کی نعمت کا کفران ہوگا۔

اسی سبب سے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے زمین وآسمان اس پر لعنت کرتے ہیں۔

اب آپ غور کیجئے کہ جب ایک نعمت کے کفران پر زمین و آسمان کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے تو پے در پے معاصی، گناہ اور نافرمانی کا کیا وبال ہوگا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور کفرانِ نعمت کے گناہ سے ہم کو بچائیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار گننا ناممکن

رب کریم فرماتے ہیں:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتے۔"

اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ بتاؤ! تم بارش کے پانی کے قطروں کو گن سکتے ہو، تو آپ گن نہیں سکتے، کوئی آپ سے پوچھے کہ آسمان کے ستاروں کو گن سکتے ہو تو آپ گن نہیں سکتے، کوئی آپ سے کہے

ساری دنیا کے ریت کے ذرات کو گن سکتے ہو آپ نہیں گن سکتے، کوئی آپ سے کہے ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن سکتے ہو آپ نہیں گن سکتے۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔

تفسیر معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

> ”اللہ تعالیٰ نے تمہاری بقا کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت تھی سب پورے کئے گویا تم نے اپنی زبان قال یا حال سے جو مانگا اور جن چیزوں کی تمہاری بقاء زندگی کو ضرورت ہوئی۔ وہ سب خدا تعالیٰ نے تم کو عطا کیں۔ پھر محسوس نعمتوں کے علاوہ نیم محسوس اور غیر محسوس انعامات اس قدر ہیں کہ شمار کرو تو گن نہ سکو۔“

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسان پر اتنی ہیں کہ سب انسان مل کر ان کو شمار کرنا چاہیں تو شمار میں نہیں آسکتیں۔ غور کیجئے اول تو انسان کا اپنا وجود ہی خود ایسا ہے کہ اس کے آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، معدہ، جگر، دل، دماغ بلکہ بدن کے ہر جوڑ اور رگ و ریشہ میں رب العزت کی غیر متناہی نعمتیں مستور ہیں۔ پھر آسمان اور زمین کے درمیان کی مخلوقات، سمندروں اور پہاڑوں کی مخلوقات، آج جدید تحقیقات کے ماہرین بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکے۔

پھر نعمتوں میں یہ مادی اور حسی نعمتیں ہی داخل نہیں بلکہ انسان کا دکھ، درد، مرض، تکلیف، مصیبت پریشانی، رنج وغم سے محفوظ رہنا یہ ہر ایک الگ الگ مستقل نعمت ہے۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اور پورے عطیات، انعامات اور احسانات کا شمار اور اندازہ کس کو ہوسکتا ہے۔ لیکن انسان بڑا ظالم، بڑا حق ناشناس اور ناشکرا ہے۔

اول تو نعمت دینے والے کو پہچانتا ہی نہیں، غافل ہے۔ دوسرے منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف جھکتا ہے۔ انہی کو نعمت دینے والا خیال کرتا ہے۔ جنس انسان میں بہتیرے بے انصاف اور ناسپاس ہیں جو اتنے بے شمار احسانات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ بے شمار نعمتوں کے بدلہ میں بے شمار عبادت اور بے شمار شکر لازم اور واجب ہوتا مگر اللہ جل شانہٗ نے اپنی کریمی ورحیمی سے اس میں بھی اس ضعیف الخلقت انسان کی رعایت فرمائی کہ اگر یہ حقیقت پر نظر کر کے اعتراف کرلے کہ شکر واجب سے سبکدوش ہونا اس کی قدرت میں نہیں تو حق تعالیٰ اپنے کرم وعنایت سے اسی اعتراف کو ادائے شکر کے قائم مقام قرار دے دیتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۱)

نعمتوں میں اضافہ اور کمی کا اصول وضابطہ

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ.

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتوں کو تم پر اور زیادہ کر دیں گے۔''

تو ہم جتنا اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں گے اتنا ہی رب کریم کی نعمتیں اور زیادہ ہوں گی۔

اور آگے فرمایا:

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ.

''اور اگر تم کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو کہ پھر میری پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔''

نعمتوں کا منکر ہونا ان کی ناقدری کرنا ان کو گناہوں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے اور ان نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور نفس و شیطان کی فرمانبرداری میں ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو سبھی استعمال کرتے ہیں لیکن شکر گزار بندے کم ہیں جیسا کہ سورۃ سبا میں فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ .

شکر بہت بڑی چیز ہے اس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے، اور ناشکری پر نعمتیں چھین لی جاتی ہیں، سورت ابراہیم (ع ۲) میں فرمایا:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ط
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ.

"اور جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دوں گا، اور اگر ناشکری کروگے، تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے۔"

انسان بڑا ناشکرا ہے

انسان کے مزاج میں ناشکری غالب ہے، سورۂ زخرف میں فرمایا کہ:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ.

"بلاشبہ انسان کھلا ناشکرا ہے۔"

اور سورہ ابراہیم میں فرمایا:

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
لَاتُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ.

"اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار

کرنے لگو تو شمار نہ کرسکو گے، بلاشبہ انسان بڑا ظالم

ہے، (اور) بڑا ناشکرا ہے۔"

سورۃ العادیات میں فرمایا:

ان الانسان لربه لکنود

"بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

"کنود" کے معنیٰ میں حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ وہ شخص جو مصائب کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے اس کو کنود کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ نے فرمایا کہ جو اللہ کی نعمتوں کو اس کی معصیتوں میں صرف کرے وہ کنود ہے۔

اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کو دیکھے اور منعم یعنی نعمت دینے والے کو نہ دیکھے وہ کنود ہے۔

ان سب اقوال کا حاصل نعمتوں کی ناشکری کرنا ہے اس لئے کنود کا ترجمہ ناشکری کا کیا گیا ہے۔ (از تفسیر انوار البیان ج ۹)

جذبہ شکر پیدا کرنے کی تدبیر

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انظروا الى من هو اسفل منكم ولاتنظروا الى من هو

فوقكم فهو اجدر ان لا تزدروا نعمة الله
عليكم .(مسلم)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو تم سے مال و دولت اور دنیاوی جاہ و مرتبہ میں کم ہیں ان کی طرف دیکھو (تو تمہارے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوگا) اور ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جو تم سے مال و دولت میں اور دنیاوی ساز و سامان میں بڑھے ہوئے ہیں تاکہ جو نعمتیں تمہیں اس وقت ملی ہوئی ہیں وہ تمہاری نگاہ میں حقیر نہ ہوں۔ (ورنہ تمہارے اندر اللہ کی ناشکری کا جذبہ ابھر آئیگا)۔''

احساس شکر بھی بڑی نعمت ہے

شیخ سعدیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی، تنگدستی اتنی تھی کہ جوتا بھی ٹوٹ گیا، گرمی کا موسم تھا گرم زمین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے یہ مسجد سے گھر کی طرف لوٹنے لگے تو دل میں خیال آیا، پروردگار! میں تو آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں، مسجد کی طرف آتا ہوں، مجھے تو آپ نے جوتا بھی عطا نہ کیا۔ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ سامنے سے ایک لنگڑے آدمی کو آتے دیکھا، وہ بیساکھیوں کے بل چل کے آرہا تھا۔ فوراً دل

پر چوٹ لگی کہ اوہو! میں تو جوتے کے نہ ہونے کا شکوہ کر رہا ہوں، یہ بھی تو انسان ہے جسے پروردگار نے ٹانگیں بھی عطا نہ کیں، یہ لکڑیوں کے سہارے چلتا ہوا آرہا ہے، تو جب اپنے سے نیچے والے کو دیکھا تو دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور کہنے لگے کہ اے اللہ! میں بغیر جوتے کے ہی صحیح ہوں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے ہمیں ہزاروں سے بہتر رکھا ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، غور کرنے کی بات ہے، آپ تھوڑا سا اپنے حالات پر غور کریں آپ کو کتنی چیزیں ایسی ملتی چلی جائیں گی کہ آپ کا دل گواہی دے گا کہ رب کریم نے کتنوں سے ہمیں اس حال میں بہتر رکھا ہوا ہے، یہ چیزیں انسان کے کے اندر پھر شکر کی کیفیت کو پیدا کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ اگر اس کو میں نے ضرورت سے زیادہ رزق دے دیا تو یہ عُجب میں مبتلا ہو جائے گا، یہ تکبر کے بول بولے گا اور ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، اس لئے رب کریم انہیں تنگدستی کے حال میں رکھتے ہیں کہ میرا یہ بندہ مجھے

مشکل حالات میں پکارتا رہے گا، اس کا ایمان سلامت رہے گا۔ کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ضرورت کے بقدر رزق ملتا رہتا ہے تو نمازیں بھی پڑھتے رہیں گے، کاروبار بھی چلتا رہے گا، تسبیحات بھی چلتی رہیں گی اور اگر ذرا کاروبار پر زد پڑی یا ذرا کوئی اور واقعہ پیش آیا تو سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ رب کریم چونکہ مہربان ہیں اس لئے بندے کی ضرورت کے مطابق دیتے رہتے ہیں تاکہ یہ میرا بندہ میرے سامنے جھکتا رہے، یوں حالات کی زنجیروں میں جکڑ کر اللہ تعالیٰ اسے اپنے در پر جھکاتے ہیں۔

آج شکوے ہی شکوے

آج اکثر جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ اقتصادی اور معاشی مسائل کی وجہ سے ہر مرد اور ہر عورت کی زبان سے شکوے ہی شکوے سننے میں آتے ہیں، کسی کو اولاد کا شکوہ، کسی کو مال کا شکوہ، کسی کو کاروبار کا شکوہ، الا ماشاء اللہ کوئی بندہ سیکڑوں میں نظر آتا ہوگا کہ جو کہے کہ اللہ نے مجھے جس حال میں رکھا ہوا ہے میں راضی ہوں۔ ورنہ ہر ایک کہے گا کہ میں بڑا پریشان ہوں باقی ساری دنیا سکھ کی زندگی گزار رہی ہے۔ حالانکہ جس کو یہ سکھی سمجھتا ہے اس کے غم لے کر اس کو دے دیئے جائیں تو یہ پہلے سے بھی

زیادہ پریشان ہوجائے، تو اللہ رب العزت نے جس کو جس حال میں رکھا ہے، چاہیئے کہ اس کا شکرادا کرے۔

اشرف المخلوقات ہونا! مقام شکر

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے، رب کریم کی ہم پر کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس پروردگار عالم نے ہمیں انسان بنایا۔ اگر وہ کوئی جانور بنادیتا تو اس کو اختیار تھا۔ بالفرض اگر وہ بندر پیدا کردیتا تو کسی نے ناک میں نکیل ڈالی ہوتی اور ہم گلیوں کے اندر ناچتے پھرتے، اگر وہ گدھے کی شکل میں پیدا کردیتا تو کسی نے پیٹھ پر بوجھ لادا ہوتا اور ہم ڈنڈوں پر ڈنڈے کھا رہے ہوتے اور پھر اس کے باوجود بھی زبان سے شکوہ کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ الحمدللہ پروردگار عالم نے ہمیں انسان بنایا، ہم نے اس کے لئے کوئی درخواست تو نہ دی تھی، لہٰذا اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

دولتِ ایمان کی نعمت! مقامِ شکر

دوسرا احسان یہ ہوا کہ رب العزت نے ہمیں نبی علیہ السلام کی امت میں ایمان کے ساتھ پیدا کیا۔ یہ اللہ رب العزت کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم اس کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتے۔ دنیا میں وہ بھی لوگ

ہیں جو اس امت میں پیدا تو ہوئے مگر ان کو کفر کا ماحول ملا، ان کے ماں باپ نے انہیں یہود و نصاریٰ اور کافر بنا دیا، ہمیں اللہ رب العزت نے ایسے ماں باپ کے گھر پیدا کیا، جہاں ہمیں ایمان کی دولت ملی، اور مفت میں ملی اور یہ انسان کا سب سے بہترین عمل ہے اس سے بہتر کوئی اور عمل نہیں۔

جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ:

''یارسول اللہ!

أی الاعمال افضل؟

''کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟''

آپ نے فرمایا:

الایمان باللّٰه .

''اللہ رب العزت پر ایمان لانا۔''

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے، اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا، یہ ایمان دل میں ہوتا ہے، یہ دل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دِل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف، اس لئے اس میں کوئی شک و

شبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی، الحمدللہ الحمدللہ۔

اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمدللہ. خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھیے

ایمان کی قیمت کیا ہوتی ہے ایمان کی قیمت تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے، بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک بھوکے پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہو رہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو جاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے:

اَحد، اَحد

''اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے''۔

تقریبا تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہی حال رہا ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا

ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام تھا۔

یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے، ہم جو آج مسلمان بن کر بیٹھے ہیں معلوم نہیں کہ کتنے لوگوں کی محنت کا اس میں دخل ہے، کتنی اللہ رب العزت کی رحمتیں ہم پر برسیں کہ آج اللہ رب العزت نے ایمان کی دولت سے مالا کر دیا۔ یہ بہت بڑی دولت اور نعمت ہے، اسکی قدر بھی کرنی چاہئے اور اسپر اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے۔

آنکھوں کی نعمت! مقام شکر

غور کیجئے! ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں، اور تو اور آنکھوں کو ذرا دیکھئے یہ رب کریم کی کتنی بڑی نعمت ہیں، اگر اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو معلوم کرنا ہے تو اس اندھے سے جا کر پوچھئے جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوا، وہ اپنی ماں کو بھی پوری زندگی نہیں دیکھ سکتا، اپنے باپ کے چہرے کو بھی نہیں دیکھ سکتا، میرے دوستو! اس کے دل میں کتنی حسرت ہوگی کہ کاش! مجھے ایک لمحے

کے لئے دیکھنے کی صلاحیت مل جاتی تاکہ میں اپنی ماں کو دیکھتا، اپنے باپ کو دیکھتا، قرآن کو دیکھتا، میں اللہ رب العزت کے گھر کو دیکھتا، اوران نعمتوں سے اپنی آنکھوں کوٹھنڈک پہنچاتا مگراس کے پاس یہ نعمت نہیں ہے۔اپنے ہاتھ پاؤں ادھرادھر مارتا پھرتا ہے، کیازندگی ہوئی، ہم پراللہ رب العزت کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ رب کریم نے ہمیں صحیح سالم دیکھنے والی آنکھیں عطا فرمائیں، غور کرتے چلے جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر کتنی بڑی نعمتیں اور رحمتیں ہیں، جو ہمیں بغیر مانگے ملی ہوئی ہیں۔

مخزن اخلاق میں مولانا رحمت اللہ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے، جو بڑانصیحت آموز ہے۔

ایک مفلوک الحال کثیر العیال شخص جو کہ ایک آنکھ سے بھی محروم تھا، ہمیشہ اپنی تنگیٔ معاش اور زبوں حالی کا شاکی رہتا تھا۔آخر کار لاچار ہو کر وہ تلاشِ معاش کے سلسلہ میں ایک ایسی سلطنت میں پہنچا جہاں کے بادشاہ کی ایک آنکھ کسی صدمے سے ضائع ہوگئی تھی۔ حکمائے بادشاہی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر کسی ایسے شخص کی آنکھ دستیاب ہو سکے، جو کہ ہر پہلو سے آپ کی آنکھ کے عین مشابہ اور ہم جسامت ہو تو ہم آپ کی اصلی آنکھ کے مطابق اس کو صحیح طور پر نصب

کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ جس کی بینائی اصلی آنکھ کے مطابق ہوگی۔ لیکن باوجود تلاشِ بسیار ایسی آنکھ دستیاب نہ ہوسکی، جو اس سے مطابقت کھا سکے۔ بادشاہ نے اپنے حکیم خاص کو دروازہ شہر پر متعین کردیا تاکہ ایسی مشابہ آنکھ والا اگر کوئی شخص نظر آئے تو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اتفاق سے وہی یک چشم تنگ حال شخص جب دروازۂ شہر سے گزرا تو حکیم کہ اس کی آنکھ مطلوبہ پیمانے کے مطابق نظر آئی۔

اس کو بادشاہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے لاکھوں روپے پیش کرکے اس شخص سے آنکھ طلب کی۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر قطعی انکار کردیا کہ آپ کا اپنی ایک آنکھ کے عوض لاکھوں روپے دے کر دوسرے شخص کو کلیۃً بینائی سے محروم کردینا سراسر بعید از انصاف ہے۔

نیک دل بادشاہ نے جبر کو نامناسب اور بے انصافی خیال کرتے ہوئے اپنے ارادے سے رک گیا اور اپنی ایک آنکھ کو ہی غنیمت خیال کیا، اور اس شخص کو انعام دے کر رخصت کیا اور وہ شخص شکوہ وشکایت چھوڑ کر اپنی صحت و بینائی کی نعمت عظمٰی کی صحیح قدر و قیمت سمجھ کر ہمیشہ کے لیے شکر گزار بندہ بن گیا۔

دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو کہ صحت اور وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نعمتِ بینائی کی قدر نصیب فرمائے۔ (آمین)

دل کی نعمت! مقام شکر

دل ایک پمپ ہے، یہ ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے، دنیا میں آج تک کوئی ایسا پمپ تیار نہیں ہوا جو ستر اسی سال تک کسی وقفے کے بغیر مسلسل پمپنگ کا کام کرتا رہے۔

یہ دل روزانہ کئی من خون پمپ کرتا ہے، جب ایک مرتبہ دل دھڑکتا ہے تو جسم میں موجود سارا خون پمپ ہوتا ہے، پھر دوسری مرتبہ دھڑکتا ہے تو اس طرح دوسری مرتبہ سارا خون پمپ ہوتا ہے۔ ایک منٹ میں کتنی مرتبہ دل دھڑکتا ہے اور ہر مرتبہ کتنے خون کو پمپ کرتا ہے، اگر اس کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ دن بھر میں ٹنوں اور منوں کے حساب سے خون کی مقدار کو یہ دھکا دیتا ہے۔

دیکھئے یہ دل کتنی بڑی نعمت ہے کہ لوہے کے لگے ہوئے پمپ بھی مسلسل کام نہیں کر سکتے جب کہ یہ دل مسلسل کئی سالوں تک کام کرتا ہے، ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں کرتا، اگر یہ تھوڑی دیر کے لئے رک جائے

تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت غریب سے غریب آدمی کو بھی دے رکھی ہے۔

اسی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الجَسَدُ کُلُّه وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ کُلُّه اَلَا وَهِيَ القَلْبُ.

”(اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ) کہ جسم کا ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ صحیح ہوتا ہے تو پورا جسم (انسانی) صحیح ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو پورا جسم (انسانی) خراب ہو جاتا ہے، آگاہ ہو جاؤ وہ قلب یعنی دل ہے۔“

یہ ہے دل کی اہمیت، انسان کے سارے وجود کے صحیح ہونے کا دارومدار اسی دل پر ہے۔

(اللہ تعالیٰ اس کی قدر نصیب فرمائے، آمین)۔

قوت گویائی کی نعمت! مقام شکر

ایک لمحے قوت گویائی کے حوالہ سے بھی سوچئے کہ رب کریم نے ہمیں قوت گویائی عطا فرمائی۔ اب اس کی قدر و قیمت کا اندازہ

گونگے سے پوچھئے کہ جو اپنے دل کی کیفیات اور جذبات کو کسی کے سامنے بیان ہی نہیں کرسکتا۔ ہمیں تو کسی سے محبت ہو تو معلوم نہیں کیسے کیسے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ ہم اپنا مدعا اس کے سامنے بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ کبھی بچوں کے سامنے محبت کا اظہار، کبھی بیوی کے سامنے محبت کا اظہار، کبھی ماں باپ کے سامنے محبت کا اظہار، کبھی پیر استاد کے سامنے محبت کا اظہار ہم تو دل کے جذبات کو الفاظ کا روپ پہنا دیتے ہیں۔

لیکن جو آدمی گونگا ہے وہ اپنے دل کے جذبات کو کسی کے سامنے کھول تو نہیں سکتا، وہ بھلے کسی سے محبت کرتا ہو اسے بتا نہیں سکتا، اس کو کسی کی ذات سے پیار ہو تو وہ اسے بتا نہیں سکتا، اپنے اندر جتنا درد محسوس کر رہا ہے، جتنا دکھ محسوس کر رہا ہے وہ اپنا رنج وغم دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔ جیسے جانور خاموش ہوتا ہے اسی طرح یہ انسان بن کے بھی خاموش ہوتا ہے کیونکہ اللہ نے اسے گونگا پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس کی قدر کیجئے کہ اس نے کتنی بڑی نعمت سے ہمیں نوازا ہے۔

قوت سماعت کی نعمت! مقام شکر

قوت سماعت جن کانوں سے ہم سنتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی

بڑی نعمت ہے۔ کتنے وہ لوگ ہیں جو دیکھنے میں بڑے خوبصورت ہوتے ہیں مگر ان کو کانوں کی سماعت نصیب نہیں ہوتی۔ وہ سنتے بھی نہیں اور بولتے بھی نہیں، کئی بچے بچپن میں جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کے کانوں میں کوئی نقص ہوتا ہے کانوں کی سماعت ٹھیک کام نہیں کرتی۔ جس کی وجہ سے ان کا بولنا بھی بند ہو جاتا ہے چونکہ انہوں نے کبھی کوئی الفاظ سنے نہیں ہوتے اس لئے ان کے دماغ میں الفاظ کا ذخیرہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ان کو بولنے کا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ اس لئے نہیں بول سکتے کہ ان کے سننے کا نظام خراب ہوتا ہے۔

اب بتایئے سننے کا نظام خراب ہے مگر بولنے کی نعمت ہونے کے باوجود بول نہیں سکتے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں جس کا سننا ٹھیک ہو گیا تو اس کا بولنا خود بخود ٹھیک ہو جائے گا تو پروردگار نے ہمیں سننے کی استعداد وصلاحیت نصیب فرمائی۔ سوچیئے کہ جب اذان کی آواز آتی ہے تو اللہ اکبر کی صدا ہمارے کانوں میں سنائی دے رہی ہوتی ہے، کبھی کوئی قرآن پڑھ رہا ہوتا ہے تو کانوں میں آواز آتی ہے، کوئی نعت پڑھتا ہے تو کانوں میں آواز آتی ہے، سبحان اللہ ہم کتنی پیاری پیاری آوازیں کانوں کے ساتھ سنتے ہیں، کبھی بیوی کی آواز، کبھی بچوں کی آواز، کبھی ماں نے آواز دی، کبھی کسی نے پکارا، کبھی استاد

سے بیٹھ کر درس لیا۔ اس کو سنا یہ اللہ رب العزت کی ہم پر کتنی بڑی نعمت ہے، جوشکر کا تقاضہ کرتی ہے۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی قدر نصیب فرمائے آمین)۔

نظام انہضام کی نعمت! مقام شکر

کچھ لمحے کے لئے سوچئے تو سہی کہ جو کچھ ہم کھاتے ہیں وہ سب کچھ آرام سے ہمارے پیٹ کے اندر چلے جانا اور ہضم ہو جانا اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے، دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جن کا ہاضمہ ٹھیک کام نہیں کرتا، کچھ کھا پی نہیں سکتے۔

اس بیماری سے شفا کیلئے فقیر کو پوری سلطنت دیدی

حضرت مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ نے اپنی کتاب مخزنِ اخلاق میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

ایک بادشاہ کو ریاح خارج نہ ہونے کے باعث سخت تکلیف رہتی تھی، شکم ہمیشہ پھولا رہتا تھا۔ شاہی طبیبوں نے ہر چند علاج معالجہ میں بہت کوشش کی۔ لیکن بجائے تخفیف کے مرض تقویت پکڑتا گیا۔ آخر کار اطبائے دربار مایوس ہو کر ایک گراں قدر انعام اس مرض کے دفعیہ کیلئے عوام میں مشتہر کر دیا۔

رعیت کے طبیبوں میں سے کچھ نے اپنی اپنی حکمت آزمائی کی لیکن سب بے سود۔ جوں جوں مرض بڑھتا جاتا تھا، موعودہ و مشتہرہ رقم انعام بھی بڑھتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ انعام کی یہ مقدار نصف سلطنت تک مقرر کردی گئی۔ لیکن پھر بھی اس انعام کے حاصل کرنے میں کوئی شخص کامیاب نہ ہوسکا۔ کیونکہ دردِ سر کا علاج تاج سے نہیں ہوتا۔

ایک خدارسیدہ فقیر کو بھی یہ حال معلوم ہوا۔ اس نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ پوری سلطنت دے دے تو میں علاج کرنے کو تیار ہوں۔

بادشاہ نے ایسے تکلیف دہ مرض کی موجودگی میں بادشاہت کے مقابلے میں بحالت صحت محنت مزدوری کرنے کو بدرجہا ترجیح دی۔ اس لیے کہ بیمار بادشاہ سے تندرست کتا اچھا ہے اور پوری سلطنت دینے پر رضامند ہوگیا۔

فقیر نے دعا کی اور بظاہر کوئی دوا بھی دے دی۔ بادشاہ کو ریاح خارج ہونے سے شفائے مطلق حاصل ہوگئی اور اس موذی مرض سے کلی طور پر نجات پالی، تو حسب وعدہ فقیر کو تاج و تخت سنبھالنے کے واسطے بلایا۔"

فقیر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اے بادشاہ! یہ تاج و تخت تجھی کو مبارک ہو۔ میں ایسی بے حقیقت اور ناکارہ چیز کو لینا نہیں چاہتا کہ جس کی قیمت صرف "ہوائے شکم" کا خارج ہونا ہو۔

ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے

اس عاجز کے پاس ایک مرتبہ کسی شہر سے ایک خاتون نقش لینے کے لئے آئی۔ پردہ میں بیٹھ کر اپنا حال بیان کرنے لگی، کہنے لگی، پچھلے سات سال گزر گئے ہیں سوائے پانی جیسی چیز یا سیون اپ وغیرہ کے میں نے کچھ بھی پیٹ میں نہیں ڈالا۔ گھر میں مختلف قسم کے کھانے میں خود پکاتی ہوں مگر میں اس کو دیکھ تو سکتی ہوں کھا نہیں سکتی۔ اتنا عجیب احساس ہوا، رب کریم! یہ کتنی بڑی نعمت ہے، وہ عورت روزانہ کھانے پکا رہی ہوتی ہے مگر اس کے نصیب میں نہ روٹی ہے نہ سالن ہے فقط سیون اپ کی بوتل پی لی یا کبھی جوس کھا لیتی لے لیا مزید وہ کوئی ٹھوس چیز کھانے کے قابل نہ تھی۔ اگر کوئی چیز تو ابکائی آتی تھی اور فوراً ساری چیزیں باہر نکل آتی تھیں، لہٰذا پریشان تھی، وہ کہنے لگی کوئی ایسی دعا کردیں یا بتا دیں کہ میں پڑھائی کرلوں تاکہ میں پورے دن میں ایک چپاتی تو کھا لیا کروں، اتنی حسرت سے وہ بات کر رہی تھی کہ کاش میں پورے چوبیس گھنٹے میں ایک چپاتی تو کھا لیا کروں۔

میرے دل میں یہ بات آئی کہ بندے! تو ذرا اپنے اوپر غور

کر، تو ہر وقت کے کھانے میں کتنی چپاتیاں کھا جاتا ہے اور تجھے اپنے پروردگار کی اس نعمت کا احساس بھی نہیں ہوتا جو کچھ ہم کھا لیتے ہیں اس کا ہضم ہونا اور اس کا آرام سے جسم سے خارج ہو جانا بھی اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم اس نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے اگر وہ چیز جسم کے اندر ہی رک جاتی اور باہر نہ نکلتی تو ہمیں ڈاکٹروں کے پاس جانا پڑتا، کیسا مشکل وقت گزرتا، پیٹ پھٹنے کو آتا، نجاست جمع ہو جاتی اور اپنے وقت پر نہ نکلتی۔ تو ہمارا حال کیا ہوتا؟ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

سانس کی نعمت! مقام شکر

ہم چوبیس گھنٹوں میں کتنے ہزار مرتبہ سانس لیا کرتے ہیں، اس سانس کا آنا اور جانا اللہ رب العزت کی کتنی بڑی رحمت ونعمت ہے۔ جس ہوا سے ہم سانس لیتے ہیں، وہ چار گیسوں کا مجموعہ ہے، جب ہم سانس لیتے ہیں تو صرف آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔ اس آکسیجن کی ہمیں ہر آن ضرورت ہے، دن میں بھی ضرورت ہے، رات میں بھی ضرورت ہے، جاگتے ہوئے بھی ضرورت ہے، سوتے ہوئے بھی ضرورت ہے، اب اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم دیکھئے کہ ہم سو جاتے ہیں لیکن دینے والا ہمیں آکسیجن فراہم کرتا رہتا

ہے، اگر اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کے لئے آکسیجن روک لیں تو دم گھٹ جائے گا اور موت واقع ہوجائے گی۔

یہ نعمت مفت میں ہر وقت ملی ہوئی ہے

یہ نعمت ہمیں ہر وقت ملی ہوئی اور بلا معاوضہ ملی ہوئی ہے۔ یہ کتنی قیمتی نعمت ہے ذرا بازار سے اس کی قیمت معلوم کر کے دیکھئے! مارکیٹ سے آکسیجن کے ڈرم ملتے ہیں۔ بعض مریضوں کو انتہائی نازک صورت میں لگائی جاتی ہے، مریض کے ناک میں نلکی لگا کر آکسیجن اس کے پھیپھڑوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ یہ ڈرم خود بھی کافی مہنگا آتا ہے پھر لگانے کے لئے جو ڈاکٹر وغیرہ آتا ہے، وہ بھی بھاری فیس وصول کرتا ہے اور پھر بھی وہ راحت حاصل نہیں ہوتی جو قدرتی ہوا سے سانس لینے کے بدلے میں ہوتی ہے۔ ذرا اندازہ لگایئے! یہ سانس لینا بظاہر کتنی چھوٹی سی چیز ہے لیکن اس پر انسانی زندگی موقوف ہے اور کوئی انسان اس ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

کبھی دمہ کے مریض کو دیکھا کریں کہ جب سانس اکھڑتا ہے تو اس کی کیفیت ایسی ہوتی جیسے جان نکل رہی ہو، آدھی سانس اندر اور آدھی باہر ہوتی ہے۔ حالت دگرگوں ہوجاتی ہے، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور موت وحیات کی عجیب کشمکش میں ہوتا ہے، تو ہم اگر

غور کرتے چلے جائیں تو رب کریم کی کتنی ہی نعمتیں ہمارے اوپر کھلتی چلی جائیں گی۔ رب کریم نے ہم پر بڑا اکرم کیا ہمیں ایسا جسم عطا کیا کہ جو صحت مند جسم ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی زندگی کتنے آرام سے گزار رہے ہوتے ہیں۔

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر.

شیخ سعدیؒ نے گلستان کے شروع میں اسی سانس کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ”انسان جو سانس اندر کی طرف لے جاتا ہے وہ زندگی کو بڑھانے والا ہوتا ہے اور جو سانس وہ باہر نکالتا ہے وہ فرحت بخشنے والا ہوتا ہے، پس ہر سانس پر دو شکر واجب ہوئے۔“

کیا واقعی ہم اس طرح ہر سانس پر دو شکر ادا کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

اولاد کی نعمت! مقام شکر

اپنے وجود کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھایئے کہ رب کریم نے ہمیں اولاد کی نعمت عطا فرمائی۔ اس کی قدر و قیمت ذرا ان سے پوچھئے جو بے اولاد ہوتے ہیں۔ اس

عورت سے پوچھئے جس کی شادی کو کئی سال گزر گئے اور اس کو اولاد کی نعمت نہیں ملی، اس کے دل میں کتنی تمنا ہوتی ہوگی کہ اللہ رب العزت مجھے بھی اولاد عطا کرتا، میں بھی صاحب اولاد ہوجاتی، میرے گھر میں بھی کوئی کھیلنے والا بچہ ہوتا، میرا گھر بھی آباد ہوتا، میرا گھر بھی مجھے باغ کی طرح لگتا، مگر اس کے دل کی تمنا پوری نہیں ہوتی، کتنی عورتوں کو دیکھا جنہیں خاوند کا پیار بھی نصیب ہے، گھر میں مال و دولت بھی نصیب ہے، بڑی کوٹھی بھی ہے، مگر ان کے پاس اولاد نہیں۔ کہتی ہیں جی ہمیں یہ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اتنا بڑا گھر کس کام کا جب اس میں کھیلنے کے لئے اللہ نے کوئی اولاد ہی نہیں دی، اس ماں کے دل میں کتنی حسرت ہوتی ہے ذرا پوچھئے تو سہی۔ اس ماں کی حسرت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ اگر رات کو تہجد کے لئے اٹھتی ہے تو یہ اللہ کے سامنے سربسجود ہوکر اولاد مانگتی ہے، جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی ہے تو اس کی سب سے پہلی دعا اولاد کے متعلق ہوتی ہے۔ لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں اور یہ تہجد کی نماز پڑھ کر اللہ سے ایک اولاد کی نعمت مانگتی ہے جو اسے حاصل نہیں، کبھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہے تو تلاوت کرنے کے بعد یہ اللہ رب العزت سے دعا مانگتی ہے، رب کریم! مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما، کبھی کسی اچھی محفل یا مجلس کا پتہ چلا، یہ وہاں پہنچتی ہے اور دعا مانگتی ہے کہ

اے اللہ! یہ تیرے نیک لوگوں کی محفل ہے، اپنے نیک بندوں کی برکت سے مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما۔ یہ عورت حج پر گئی اس نے غلاف کعبہ کو پکڑ کے یہ دعا مانگی، رب کریم! مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما، اس نے مقام ابراہیم پر نفل پڑھے اس نے دعا مانگی رب کریم! اولاد کی نعمت عطا فرما، جہاں اسے دعا کی قبولیت کے آثار نظر آتے ہیں وہ اپنے وہی دکھ اللہ کے سامنے رکھتی ہے اور روتی ہے، ہر وقت وہ فریادیں کرتی ہے۔ اس کو کوئی پڑھنے کو تسبیح بتائے، اسے کوئی راتوں کو جاگ کر وظیفہ کرنا بتائے، یہ راتوں کو جاگ کر وظیفہ کرنے کے لئے تیار، بے چاری وضو کر کے گھنٹوں مصلے پر بیٹھی پڑھتی رہے گی۔ اسے گھر میں کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی۔ اتنا بڑا گھر اسے ویران لگتا ہے، اس کے دل کی حسرت کا اندازہ لگائیے اس کے پاس مال بھی ہے، حسن و جمال بھی ہے، خاوند کا پیار بھی ہے، دنیا کی عزت بھی ہے، مگر یہ سب چیزیں اس کو معمولی نظر آتی ہیں کیونکہ اللہ نے اسے اولاد کی نعمت عطاء نہیں کر رکھی ہے۔ اگر یہ مال دے کر اولاد خرید سکتی تو بھلا یہ اپنا سب کچھ لٹا نہ دیتی، اگر محنت کر کے اولاد کہیں سے لا سکتی تو یہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی جانے سے پیچھے نہ ہٹتی۔ مگر یہ نعمت وہ ہے کہ رب کریم جسے چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں اور جب وہ نہیں عطا کرتا تو دنیا کے ڈاکٹروں کی ڈاکٹری دھری کی دھری رہ جاتی ہے، سب حکیموں کی حکمت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

یاد رکھئے! اولاد اللہ کی مشیت پر موقوف ہے

ضروری نہیں کہ ہر نکاح کرنے والے جوڑے کو اولاد مل جائے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، ارشاد خداوندی ہے:

یَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ.

(سورۃ الشوریٰ پ ۲۵ ع ۶)

"جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹی بھی، اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔"

اولاد کی نعمت، اللہ کی خاص عطا ہے

میرے دوستو! ہم میں سے کتنے نوجوان ہیں جن کی شادی ہوتی ہے اور دو چار سال کے اندر اللہ ان کو بیٹے بھی عطا کر دیتے ہیں، بیٹیاں بھی عطا کر دیتے ہیں، ایک سے زیادہ اولاد ہوتی ہے، لہٰذا اولاد کی نعمت کی قدر کیجئے اور ان کی اچھی تربیت کیجئے تاکہ وہ ہمارے لئے صدقہ جاریہ بن سکیں۔ یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے،

جو رب کریم نے ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہے۔ ہم تو دنیا کا سارا مال خرچ کر دیتے تو بھی یہ نعمت نہیں مل سکتی تھی، ہمیں اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بہت شکر ادا کرنا چاہئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو اولاد کی خواہش

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ ہے بال سفید ہو گئے، ہڈیاں بوسیدہ ہو چکیں اور کھال لٹک چکی، مگر بے اولاد ہیں پھر اللہ نے اولاد کے بارے میں دل میں ایک تمنا پیدا کر دی، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعائیں مانگتے ہیں۔ وقت کے نبیؑ ہیں ان کی کیسی مقبول دعائیں ہوتی ہوں گی، آخر دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں:

رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ.

''پروردگار اب تو میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو گئیں۔''

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا.

''اور میرے سر میں بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی پھیل گئی ہے''۔

وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا.

اور میں آپ سے دعا مانگنے میں کبھی ناکام نہیں رہا

حضرت زکریا علیہ السلام اولاد کیلئے دعائیں مانگتے ہیں، پھر ایک وقت آیا کہ رب کریم نے دعا کو قبول فرمالیا اور اس بڑھاپے میں اولاد کی

نعمت عطا فرمادی۔ چنانچہ یہ وہ نعمت ہے جس کے لئے وقت کے انبیاء بھی دعائیں کرتے رہے تب اللہ کریم نے انہیں یہ نعمت عطا فرمائی۔

بیوی ایک نعمت! مقامِ شکر

اسی طرح ضروری ہے کہ بیوی پر نظر پڑے تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ رب العزت نے ایک ایسی عورت سے شادی کروادی کہ جو ایمان والی عورت ہے، ایسی عورت کے ساتھ شادی کروادی جو خاوند کے ساتھ اپنا وقت گزارتی ہے، غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی، جس کے چہرے پر اللہ نے شرم وحیا دیا، جس کو اللہ نے نمازوں کی توفیق عطا فرمائی، جو ہمارے لئے عزت و پاکدامنی کا ذریعہ ہے، گناہوں سے بچنے کا سبب ہے، جو اولاد کی تربیت کا ذریعہ ہے، جو انسان کے پیچھے اس کے گھر بار کی خیر خبر کرنے والی ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمارکھی ہے۔

کھانے پینے کی نعمتیں! مقامِ شکر

حالت تو ہماری ایسی ہے کہ طرح طرح کے کھانے تو کھالیتے ہیں لیکن بسم اللہ پڑھنا ہمیں یاد نہیں رہتا، ہم کھانا کھا کے اٹھ جاتے ہیں لیکن کبھی اختتامی دعا پڑھنا یاد نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ لذیذ مشروب پینے کو عطا فرمادیتے ہیں ہم ان کو پیتے ہوئے بسم اللہ نہیں پڑھ پاتے۔

سوچئے تو سہی یہ گندم کی روٹی جو ہمارے سامنے آئی، یہ تو گندم کا ایک دانہ تھا۔ کسی کسان نے اسے کھیت میں ڈالا۔ کسی نے زمین کو تیار کیا، پھر زمین سے اس کو نمی ملی، پھر اوپر سے سورج نے اسے حرارت پہنچائی، پھر چاند نے اس کو روشنی دی اور کبھی ہوا نے اس کی نشو ونما میں اضافہ کیا، اتنی چیزیں اس پر عمل ورآمد کرتی رہیں بالآخر یہ فصل بنی۔ کسی نے اسے کاٹا، کسی نے اسے صاف کیا ہوگا، کسی نے اسے پیسا ہوگا، کسی نے گوندھا، کسی نے پکایا، اتنے مراحل سے گذر کر جب وہ روٹی ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم کھاتے ہیں اور پھر کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، کاش! ہمیں اللہ رب العزت کی اس نعمت کا اتنا خیال ہوتا کہ ہم کھاتے ہوئے بسم اللہ ہی پڑھ لیتے، ہم کھاتے ہوئے اپنے پروردگار کا شکر ہی ادا کر لیتے کہ رب کریم! تیری کتنی نعمتیں ہیں جن کو کھا کر ہم دنیا میں زندگی گزارتے ہیں۔

پانی کی نعمت! مقام شکر

اسی طرح پانی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ دنیا کے قیمتی سے قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ مشروبات ایک طرف اور پانی ایک طرف، یہ سب مشروبات مل کر پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کوکا کولا، پیپسی کولا، روح افزا وغیرہ وغیرہ پانی کے

مقابلے میں کچھ نہیں، حالانکہ ان کے خریدنے میں رقم بھی خرچ کرنا پڑتی ہے۔شربت کا ایک گلاس پئیں یا دو چار گلاس یا اس سے زیادہ پی لیں، لیکن کچھ دیر بعد جی بھر جائے گا، پینے کو جی نہیں چاہے گا۔ ایک روز سارا دن پیاس لگنے پر پیتے رہیں اگلے دن نہیں پی سکیں گے۔لیکن پانی ایسی نعمت ہے کہ آپ اسے ہر گھنٹے، بعد پئیں تو دل نہیں اکتائے گا بلکہ پیاس بھی آپ کی اسی سے بجھے گی، یہ پانی عظیم مشروب ہے کہ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

ہارون الرشید کا ایک واقعہ

ہارون الرشید بنو عباس کے مشہور خلیفہ ہیں۔ان کے اردگرد اہل علم، دانا اور حکمت والے لوگ بھی ہوتے تھے، تاکہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً ان کے کانوں میں ایسی باتیں ڈالتے رہیں، جس سے ان کے علم میں اضافہ ہو، ان کی بصیرت میں اضافہ ہو، ایمان میں قوت پیدا ہو، عمل میں اصلاح ہو۔انہی اہل علم لوگوں میں سے ایک مشہور عالم اور فقیہ یحییٰ ابن اکثمؒ بھی بادشاہ کے مصاحبین میں سے تھے۔

ایک روز خلیفہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ امیر المؤمنین نے پانی طلب کیا، پانی آگیا، اسے پینے کے لئے جب وہ گلاس کو منہ کے قریب لے گئے تو یحییٰ بن اکثمؒ نے کہا: اے امیر المؤمنین! ذرا تھوڑی دیر ٹھہر

جائیے۔ امیر المؤمنین ان کی عزت واحترام کرتے تھے، یہ بہت دانا اور سمجھدار شخص تھے۔ ان کی بات سن کر امیر المؤمنین رک گئے۔ جب انہوں نے گلاس منہ سے ہٹالیا تو یحییٰ بن اکثمؒ نے سوال کیا: اے امیر المؤمنین! ایک بات بتلائیے وہ یہ کہ اگر آپ سے گلاس کا پانی روک لیا جائے تو اسے آپ کتنے میں خریدنے کے لئے تیار ہو جائیں گے؟

خلیفہ ہارون الرشید نے یحییٰ بن اکثمؒ کے اس سوال کرنے پر غور کیا اور پھر فرمایا کہ اس کے بغیر تو زندگی ہی نہیں، اگر اس کے لئے مجھے اپنی آدھی سلطنت بھی دینی پڑے تو وہ بھی دے دوں گا۔ غور کیجئے! یہ کوئی معمولی بات نہیں، اس وقت پوری دنیا میں اتنی وسیع حکومت کوئی نہیں تھی، جتنی بڑی وہ حکومت تھی۔ ایشیا کا تقریباً سارا علاقہ ان کے زیرنگین تھا۔ چین، جاپان اور مشرقِ بعید کے چند علاقوں کے علاوہ تمام علاقوں پر ان کی حکومت تھی، مشرقی افریقہ اور شمالی افریقہ کے سارے ممالک بنو عباس کے زیر حکومت تھے، اور اسلامی حکومت اسپین اور فرانس تک پہنچی ہوئی تھی تو وہ اتنی بڑی سلطنت میں سے آدھی سلطنت کو ایک گلاس پانی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

امیر المؤمنین کا یہ جواب سن کر یحییٰ بن اکثمؒ نے فرمایا: ٹھیک ہے اے امیر المؤمنین! نوش فرمائیے۔ ہارون الرشید نے پانی پی لیا

اور گلاس رکھ دیا۔ یحییٰ بن اکثمؒ نے پھر عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا: فرمایئے، یحییٰ بن اکثم نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! جو پانی آپ نے پیا ہے، اگر یہ پیشاب کے راستے سے باہر نکلنے سے رک جائے تو اسے نکالنے کے لئے آپ کیا کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں، امیر المؤمنین نے غور کیا اور پھر فرمایا کہ اگر پیشاب بند ہو جائے تو زندگی ہی جاتی رہے گی لہٰذا اس کے لئے میں آدھی سلطنت بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔

یہ سن کر یحییٰ بن اکثمؒ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! یہ ایک گلاس کا پانی جو ہر غریب سے غریب آدمی کو دستیاب ہے، آپ کی پوری حکومت اس کی برابری نہیں کر سکتی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پانی واقعی اتنی ہی عظیم الشان نعمت ہے، اور اس کا جسم سے اخراج بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

(اللھم لک الحمد ولک الشکر)

نعمتوں کی ناشکری وناقدری کا وبال

قرآن پاک کی ایک آیت ہے اس کو ذرا غور سے سنیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً.

''اور اللہ مثال بیان فرماتا ہے۔''

قَرْيَةً.

''ایک بستی والوں کی۔''

كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً.

''جس میں امن بھی تھا اور اطمینان بھی تھا۔''

دولفظ استعمال کئے کہ اس بستی والوں کو امن بھی نصیب تھا اور اطمینان بھی تھا۔ امن کا کیا مطلب؟ کہ ان کو باہر کے دشمن کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اطمینان کا کیا مطلب؟ کہ کوئی اندر کا غم بھی نہیں تھا، اطمینان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی زندگی دی کہ ان کے اوپر نہ کوئی غم تھا اور نہ کوئی خوف۔ اللہ تعالیٰ آگے مزید فرماتے ہیں:

يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ.

''ان کو چاروں طرف سے رزق کی بہتات نصیب تھی۔''

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ.

''انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔''

پھر کیا ہوا؟

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ.

''پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا،'' (یعنی ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا)۔

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ. (سورة النحل: آیت/ ۱۱۲)

''کیونکہ وہ کام ہی ایسے کیا کرتے تھے۔''

قوم سبا پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

سورہ سبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ. (آية)

''تمہارے لئے قوم سبا کے اندر نشانیاں ہیں۔''

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ.

''ان کے دائیں طرف بھی باغ ہوتا تھا، بائیں طرف
بھی باغ ہوتا تھا۔''

اور پھر پروردگار کا ان کے لئے حکم تھا کہ:

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ.

''تم اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر
ادا کرو۔''

وَ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ

''اور انکا رہائشی شہر پاکیزہ شہر ہے۔''

وَرَبٌّ غَفُوْرٌ.

''اور پروردگار ان کے گناہوں کا بخشنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ بندہ میرا دیا ہوا کھائے اور میرا شکر ادا کرتا رہے۔

قومِ سبا پر ناشکری کی وجہ سے آنے والا عذاب

قوم سبا یمن میں آباد تھی اور کسی زمانے میں اپنے تہذیب وتمدن میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی جیسا کہ قرآن کریم نے بتلایا ہے، ان کی زمین بڑی زرخیز تھیں، ان کی سڑکوں کے دونوں طرف باغات کے سلسلے دور تک چلے گئے تھے۔ خوشحالی بھی میسر تھی اور سیاسی استحکام بھی لیکن رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی اپنی عیاشیوں میں ایسے مگن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو بھول بیٹھے، ناشکری کی انتہا کردی اور شرک اپنا مذہب بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس کئی پیغمبر بھیجے۔ حافظ بن کثیرؒ کے بیان کے مطابق ان کے پاس یکے بعد دیگرے تیرہ پیغمبر بھیجے گئے، جنہوں نے اس قوم کو ہر طرح سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر یہ نہ مانے۔ آخر کار ان پر جو عذاب آیا وہ یہ تھا کہ مآرب کے مقام پر ایک بند تھا جس کے پانی سے ان کی زمینیں سیراب ہوتی تھیں، اللہ نے وہ بند توڑ دیا اور اسی طرح پوری بستی کو سیلاب نے گھیر لیا ۔ اور سارے باغات تباہ ہوگئے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناشکری کی سزادی۔ باغوں کی قطاریں سب برباد ہوگئیں، ان کی جگہ ایسے باغ نکل آئے جن کے پھل کڑوے تھے، کچھ جھاؤ کے درخت تھے، اور کچھ بیری کے، اب تو افسوس کے ساتھ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ لیکن اب پچھتانے

سے کیا فائدہ۔ قرآن کریم نے آگے ارشاد فرمایا:

وَهَلْ نُجَازِیْ اِلاَّ الْکفور.

''اور ہم سزا نہیں دیتے مگر ناشکرے ہی کو۔''

لفظ الکفور میں سب سے بڑی ناشکری میں کفر بھی داخل ہے۔ یہ وہ سزا تھی جو قوم سبا کو ملی۔ قوم سبا کا حال سن کر جو کوئی شخص سرکشی سے بچا رہے اطاعت پر جما رہے، شکر کی شان رکھتا ہو تو وہ اس قصہ سے بڑی عبرت حاصل کرسکتا ہے۔

ہم اپنی حالتِ زار پر غور کریں

ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ سناؤ جی کام کیسا ہے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ بس جی گزارہ ہے، حالانکہ یہ وہ آدمی بات کر رہا ہوتا ہے جس کی کئی دکانیں ہیں، کئی مکانات ہیں، اور اس کے پاس لاکھوں کا وافر مال پڑا ہوتا ہے، لاکھوں کی جائیداد کا مالک ہے، مگر خدا کے بندے سے خدا کی تعریف اور اس کا شکر ادا نہیں ہو رہا ہے۔ آج اگر کوئی وزیر تمہارے بچے کی نوکری لگوا دے تو تم جگہ جگہ اس کی تعریفیں کرتے پھرتے ہو کہ فلاں نے میرے بیٹے کی نوکری لگوا دی۔ ارے! اس بندے نے تجھ پر چھوٹا سا احسان کیا تو اتنا احسان مند ہوتا ہے، تیرے پروردگار کے تجھ پر کتنے احسانات

ہیں، تجھے اس کا خیال نہیں اور کہتا ہے کہ جی بس گزارہ ہے، تجھے چاہئے تو یہ تھا کہ یوں کہتا کہ میرے مولا کا کرم ہے، جتنا ربِ کریم نے مجھے عطا کر دیا، میری اوقات سے بہت زیادہ ہے، میں تو اس قابل نہ تھا، میں پروردگار کا کن الفاظ سے شکر ادا کروں۔ میں تو ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں تو بھی اس مالک کا شکر ادا نہیں کرسکتا، میں تو ساری زندگی اگر اس کی عبادت میں گزار دوں تو پھر بھی حق ادا نہیں کرسکتا، ہمیں چاہئے کہ ہم اس قسم کا جواب دیں جس سے پروردگار کی عظمتیں ظاہر ہوں، اس کی تعریفیں ہو کہ پروردگار نے ہم پر کتنے احسانات کیے، آج ہمیں اس کا شکر ادا کرنے کا سبق پھر سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

نعمت دیکر تین آدمیوں کی آزمائش

حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے ترجمان السنہ میں ایک واقعہ حدیث کا تذکرہ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے ان میں سے ایک آدمی کے چہرے پر برص کے داغ تھے، دوسرے کے سر پر بال نہیں تھے، گنجا تھا اور تیسرا آنکھوں سے اندھا تھا، ان تینوں کے ساتھ عجیب معاملہ پیش آیا، ان میں سے وہ آدمی جس کے چہرے پر برص کے داغ تھے، شکل بھی اچھی نہ تھی، لوگ اسے دیکھنا پسند نہیں

کرتے تھے، محفل میں بیٹھ کر وہ اپنے آپ کو مجرم کی طرح محسوس کرتا تھا، اس لئے بڑا پریشان پھرتا تھا، اس کا کاروبار بھی نہیں چلتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی آزمائش کی اور پھر ان تینوں کے پاس ایک فرشتہ بشکل انسان بھیجا۔

سب سے پہلے یہ فرشتہ برص والے کے پاس آیا اور آکر اس آدمی سے کہا کہ بتاؤ کہ تمہاری کیا پریشانی ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں برص کی بیماری میں مبتلا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے برص کے داغ ٹھیک کر دے، میرا چہرہ اس قابل ہو جائے کہ میں لوگوں میں عزت کے ساتھ بیٹھ سکوں اور اللہ تعالیٰ میرا کاروبار بھی ٹھیک کر دے تاکہ میں عزت کی روزی کھا سکوں، میرے لئے یہی کافی ہے، چنانچہ اس فرشتہ نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی برص کی بیماری کو دور کر دیا اور اسے ایک اونٹنی عطا کی۔ پھر اونٹنی کی نسل اتنی بڑھی کہ ہزاروں اونٹوں اور اونٹنیوں کا وہ مالک بن گیا، اس کا شمار امیر آدمیوں میں ہونے لگا۔

پھر یہ فرشتہ بشکل آدمی دوسرے کے پاس گیا، جس کے سر پر بال نہیں تھے، لوگ اس کا مذاق اڑاتے رہتے تھے اور اسے گنجا کہتے تھے، کاروبار بھی اچھا نہیں تھا، لہٰذا پریشان بھی رہتا تھا، اس نے پوچھا، سناؤ تمہارا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا، بس ایک تو سر پر بال نہ

ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں اور دوسرا کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں، اس نے اُسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سر پر خوبصورت بال اگادے کہ تم دیکھنے میں خوبصورت نظر آؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا کاروبار عطا کرے، چنانچہ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا خوبصورت بال آگئے اور اس کو ایک گائے دیدی، پھر گائے کی نسل اتنی بڑھی کہ ہزاروں گائیوں کا مالک بن گیا اور وقت کے بڑے امیر آدمیوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

پھر وہ فرشتہ تیسرے کے پاس گیا اور پوچھا کہ سناؤ تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا، میں تو آنکھوں سے اندھا ہوں، میں تو ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوں، میں تو لوگوں سے بھیک مانگتا پھرتا ہوں، میری بھی کیا زندگی ہے؟ دعا کرو اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرمادے اور اللہ تعالیٰ مجھے اچھا رزق عطا کرے اور غیر کی محتاجی سے بچالے۔ چنانچہ اس فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے بینائی عطا فرمادی اور اس کو ایک بکری عطا کی، پھر اس بکری کا ریوڑ اتنا بڑھا کہ وہ ہزاروں بکریوں کا مالک بن گیا، اس کا شمار بھی امیر کبیر آدمیوں میں ہونے لگا۔

ان تینوں کا کئی سال ان نعمتوں میں گزر گئے، ان کا رہن سہن امیرانہ بن گیا۔ بڑے نوکر چاکر ہوگئے، مکان اور محل بنالئے، بڑی عزتوں

کی زندگی گزارنے لگے اور وقت کے ساتھ ساتھ غفلت کا شکار ہو گئے۔

پہلے شخص کی آزمائش

جب کافی عرصہ گزر گیا تو وہی فرشتہ پہلے شخص یعنی کوڑھی کے پاس آیا اور کہنے لگا، میں محتاج ہوں، میں غریب ہوں، میں آپ کے پاس آیا ہوں، ایک وقت تھا جب آپ کے پاس کچھ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا کر دیا، آپ مجھے اسی اللہ کے نام پر کچھ دے دیں، جس نے آپ کی کوڑھ کی بیماری دور کی اور اچھی رنگت عطا کی، اور یہ سب مال و دولت عطا کی۔ یہ سن کر اس آدمی کو بڑا غصہ آیا، کہنے لگا، تم نے یہ کیوں کہا کہ ایک وقت تھا جب تمہارے پاس کچھ نہیں تھا، میرا دادا امیر، میرا باپ امیر، اور میں خود امیر، میں نے بچپن میں فلاں جگہ زندگی گزاری، میں نے تو بچپن سے ہی دولت دیکھی ہے، ارے! میں تو خاندانی امیر ہوں، تم کیسی باتیں کرتے ہو، تم نے لوگوں کے سامنے یہ بات کر کے میری بے عزتی کر دی، اس فرشتے نے کہا، اچھا اگر تم جھوٹے ہو تو پھر جیسے تم پہلے تھے، اللہ تعالیٰ تمہیں ویسا ہی کر دے، یہ کہہ کر وہ فرشتہ چلا گیا، مشیت خداوندی سے اس کو پھر برص کا مرض ہو گیا، ایسی بیماری پھیلی کے ساری کی ساری اونٹنیاں مر گئیں، جائیداد بھی ختم ہو گئی اور یہ اسی پہلی والی حالت میں دوبارہ آ گیا۔

دوسرے شخص کی آزمائش

پھر وہ فرشتہ دوسرے شخص یعنی گنجے کے پاس گیا، اس کو کہنے لگا کہ میں بڑا ہی غریب ہوں، محتاج ہوں، مجھے اللہ کے نام پر کچھ دے دو، اسی اللہ کے نام پر جس نے آپ کی بیماری دور کی اور آپ کو سب کچھ دیا حالانکہ آپ کے پاس تو اپنا کچھ بھی نہیں تھا، وہ کہنے لگا تم نے کیسی بات کی؟ ارے! میں بڑا عقلمند آدمی ہوں، میں نے فلاں کاروبار کیا ایسا سودا کیا کہ مجھے اتنی بچت ہوئی، فلاں سودا کیا اتنی بچت ہوئی، میاں! محنت سے کمایا ہے، بغیر محنت کے کچھ نہیں ملتا، تم ویسے ہی چل کے آگئے ہو بھوکے ننگے بن کر، ہم نے دن رات اس کے پیچھے محنت کی تب ہمیں یہ ملا ہے، جب اس نے اس قسم کی باتیں کیں تو یہ فرشتہ کہنے لگا، اچھا اگر تم جھوٹے ہو تو جیسے تم پہلے تھے پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ویسا ہی کردے، جب اس نے بد دعا کردی تو اس کی گائیں سب کی سب مرگئیں، جائیدادیں نقصان کا شکار ہوکر ہاتھوں سے نکل گئیں، اس کے سر کے بال بھی گر گئے، جس حالت میں پہلے تھا اسی حالت میں وہ دوبارہ ہوگیا۔

تیسرے شخص کی آزمائش

پھر یہ فرشتہ تیسرے آدمی کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا کہ

میاں! میں محتاج ہوں، میں غریب ہوں، مجھے کچھ دے دو اسی اللہ کے نام پر جس نے آپ کو نگاہ بخشی اور سب کچھ دیا حالانکہ آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا، جیسے ہی فرشتہ نے یہ باتیں کہیں اس آدمی پر عجیب سی کیفیت طاری ہوئی، آنکھوں سے آنسو آنے لگے اور وہ کہنے لگا کہ بھائی! تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، میں تو اندھا تھا، میں تو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا، میں تو در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا، میری دنیا ویران تھی، میں بھیک مانگتا تھا، لوگوں کے سامنے کشکول پکڑ کے جایا کرتا تھا، میرے رب نے مجھے آنکھوں کی بینائی بھی عطا کردی اور ایک بکری ایسی دی جو اتنی برکت والی تھی آج دیکھو کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان جتنا ریوڑ نظر آتا ہے یہ سب میرے مولا کا کرم ہے، یہ سب میرے مولا کی دین ہے، میرے دوست! تم اس اللہ کے نام پر مانگنے کے لئے آئے ہو میرا ریوڑ تمہارے سامنے ہے جتنا چاہو ان بکریوں سے لے سکتے ہو میں اپنی اوقات کو کیوں بھولوں میں تو وہی اندھا ہوں میرے مولا نے مجھ پر کرم کیا اس اجنبی شخص نے کہا تمہیں مبارک ہو میں تو اللہ کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تینوں بندوں کے پاس امتحان کے لئے بھیجا تھا، دو بندے اپنی اوقات بھول گئے اور ان سے پروردگار نے ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کو

واپس لے لیا مگر تم نے اپنی اوقات کو یاد رکھا، جا اللہ تیری عزت اور مال میں اضافہ فرمادے، چنانچہ یہ آدمی بنی اسرائیل کے بڑے باعزت مال ودولت والوں میں سے بن گیا۔ دنیا وآخرت دونوں میں شاد وبامراد ہوا۔ اور پہلے دونوں اپنی گذشتہ حالت پر آگئے ،اور یہ ان کے ساتھ ناشکری کی وجہ سے ہوا۔

الحمدللہ کہنے کی عادت ڈالیئے

آج ہم نے اپنی زبان اور گفتگو کرتے ہوئے الحمدللہ کا لفظ بولنا چھوڑ دیا ہے، کوئی آکے پوچھتا ہے، سناؤ جی! کیا حال ہے؟ ہم نے کبھی نہیں کہا، الحمدللہ! بہت اچھا حال ہے، الحمدللہ! میری صحت ٹھیک ہے، الحمدللہ! ہمارا کام کاج بہت اچھا چل رہا ہے، غرض یہ کہ ہماری گفتگو میں الحمدللہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوتا جارہا ہے بلکہ ختم ہوتا جارہا ہے، حتیٰ کہ پروردگار کو خود فرمانا پڑا۔

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ.

”میرے بندوں میں سے تھوڑے شکر گزار بندے ہیں۔“

سوچئے تو سہی کہ اُس پروردگار کو یہ کہنا پڑا جس پروردگار کی نعمتیں تمام انسانوں پر ہیں، جو اپنوں کو بھی دیتا ہے اور پرایوں کو بھی دیتا ہے، وہ جو ایمان والوں کو بھی دیتا ہے اور کافروں کو بھی دیتا ہے۔ وہ ہماری ناشکری کا شکوہ کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ناشکری

سے بچائے، اور شکر گذار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

الحمد للہ کہنے پر تین انعامات

جو شخص اپنی زندگی میں الحمد للہ کثرت سے کہتا ہے علما نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تین انعام عطا فرماتے ہیں: پہلا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے سختی میں آسانی نکال دیا کرتے ہیں۔ دوسرا انعام یہ کہ محتاج ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تونگری عطا فرماتے ہیں، اس لئے اپنے اکثر کاموں کو شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھئے اور پھر آخر میں الحمد للہ کہنے کی عادت ڈالیئے۔ تیسرا انعام یہ ملتا ہے کہ الحمد للہ کے اندر آٹھ حروف ہیں اور علماء نے لکھا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، گویا ہر ہر حرف جنت کے ہر دروازے کے لئے کنجی کی مانند ہوگا تو جس بندے کو الحمد للہ کثرت سے کہنے کی عادت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازوں کو کھول دیں گے۔

لمحہ فکریہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الحمدلله تملاء الميزان (بخاری)

''الحمد للہ کا کلمہ میزان کو بھر دیتا ہے۔''

یعنی اگر آپ نے الحمد للہ کہہ دیا تو دنیا کی راحتوں کے ساتھ

ساتھ آپ نے اپنے اعمال کے ترازو کو بھی بھر لیا کیونکہ شکرانہ کے طور پر جب آپ نے الحمدللہ کہا تو یہ عبادت بن گیا اور آپ کا اجر وثواب بھی بڑھ گیا۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین)

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مالک کی نعمتوں کا ہر وقت استحضار رکھیں اور پرودگار کا شکر ادا کرتے رہیں اور ناشکری کے حوالہ سے جو کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں، تہہ دل سے اللہ سے معافی مانگیں، بار بار مانگیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں

وَقَلِيْلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشُّكُوْرِ.

''میرے بندوں میں سے تھوڑے میرا شکر ادا کرنے والے ہیں۔''

بندوں میں ہمارا شمار فرمادے۔ آمین

یاد رکھیں! رب کریم کا وعدہ ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کو بھی جنت عطا کرے گا اور شکر کرنے والوں کو بھی جنت عطا کرے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

نکاح

کی اہمیت، فضیلت اور احکام

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبد الواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبد اللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

دین دار بیوی کا انتخاب کیا جائے

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قَالَ رَسُوْلُ
اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ
لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا
فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (متفق عليه)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت سے چار خصوصیات کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔(۱) اس کے مال کی بنیاد پر۔(۲) اس کی خاندانی شرافت کی بنیاد پر۔(۳) اس کی خوب صورتی کی بنیاد پر۔(۴) اور اس کے دین کی بنیاد پر، تو تم دین دار عورت کو حاصل کرو اور خاک آلود ہوں تیرے دونوں ہاتھ (یعنی اس میں تمہارا بھلا ہوگا)۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. امّابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا. (سورۃ النساء :۱)

صدق اللہ العظیم

"اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں

ایک جان سے پیدا کیا، اوراسی سے اسکی بیوی
پیدا کی ، اور دونوں سے بہت سے مرداور عورتیں
(دنیا میں) پھیلا دیئے، اوراللہ سے ڈرو جسکا واسطہ
دیکرتم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور
رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے ڈرو یقین رکھو کہ اللہ
تمہاری نگرانی کررہا ہے۔''

آج کی نشست میں خاندانی نظام میں نکاح کی اہمیت اسکے مقاصد، بیوی کے انتخاب کا معیار، خطبہ نکاح میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ وتشریح، مہر کی اہمیت وغیرہ سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ نکاح ایک رسمی کاروائی نہیں ہے بلکہ یہ مرد وعورت پر بہت بھاری ذمہ داری ہے، نکاح سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل ہوجائے تو یقیناً دین ودنیا کی فلاح حاصل ہوجائے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

نکاح کی دوشان ہے

نکاح کا جومعاہدہ ایک مرد اورایک عورت کے درمیان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں دوشان رکھی ہیں ایک شان تو سماجی معاہدہ کی ہے اور دوسری شان عبادت کی ہے، کیونکہ نکاح ایک

عبادت کی حیثیت بھی رکھتا ہے بلکہ اس میں فقہاء نے لکھا ہے کہ عبادت کی شان غالب ہے سماجی معاہدے کی شان مغلوب ہے، اللہ تعالیٰ کا اہم حکم ہے اور یہی وجہ ہے یہ عبادت ہے، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

نکاح فطری خواہش پوری کرنیکا جائز راستہ ہے

اللہ تعالیٰ کا عجیب نظام ہے کہ اس نے مرد کے دل میں عورت کی اور عورت کے دل میں مرد کی طرف ایک کشش رکھی ہے اس کشش کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت تقاضہ کرتی ہے کہ مرد وعورت دونوں کے اشتراک سے زندگی بسر ہو۔

بعض مذاہب تو وہ ہیں کہ جنہوں نے یہ کہدیا کہ یہ کشش مرد وعورت کی شیطانی خواہش ہے اسلئے ضروری ہے کہ اس خواہش کو مٹایا جائے اور جب تک اسے نہیں مٹایا جائیگا اس وقت اللہ کا قرب حاصل نہ ہوگا، لہذا ان مذاہب والوں نے اکیلی زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔

لیکن اسلام جو دین فطرت ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کشش ان کی فطرت میں داخل ہے اگر فطرت سے بغاوت کی جائیگی تو یہ فطرت غلط اور ناجائز راستہ تلاش کرے گی۔

اسلام میں نکاح کی اہمیت

نکاح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ایک اہم عبادت ہے اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آدمی نکاح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک نماز پڑھنے پر اکیس نمازوں کے پڑھنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں، یہ اس لئے کہ اب اس نکاح کرنے والے نوجوان پر حقوق اللہ بھی اور حقوق العباد دونوں کی ذمہ داری آگئی، حقوق العباد کو پورا کرنے کے بعد پھر جب اس نے حقوق اللہ کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب بڑھا دیا ،اسلام ہی نے ازدواجی زندگی کو صرف عبادت کہا ورنہ تو پہلے مذاہب ایسے تھے کہ ساری زندگی کنوارہ رہنا نیکی سمجھتے تھے،اور یوں کہا کرتے تھے کہ مرد کے دل میں عورت کی اور عورت کے دل میں مرد کی طرف جو کشش رکھی ہے یہ کشش شیطانی ہے لہٰذا جب تک اس شیطانی خواہش کو نہیں مٹاؤ گے اس وقت تک اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوگا ،یعنی مرد عیسیٰ کی صفت بن کر رہے اور عورت مریم کی صفت بن کر رہے اور دونوں کنوارے پن کی زندگی گزاریں تب جا کر رب کو راضی کر سکیں گے اسی کو رہبانیت کہتے ہیں۔

عیسائیت اور رہبانیت لازم ملزوم

آپ نے عیسائی ''نن'' کا نام سنا ہوگا ''نن'' وہ عورتیں ہوتی

تھیں جو اپنی زندگی خانقاہ کیلئے وقف کر دیتی تھیں اور شادی سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی تھیں، کہ ساری عمر وہ شادی نہیں کریں گی، ایک طرف ''راہب'' مرد ہیں، جنہوں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ وہ شادی نہیں کرینگے اور کیونکہ اگر شادی کرینگے، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، دوسری طرف ''نن'' خواتین ہیں، جنہوں نے قسم کھائی ہے کہ شادی نہیں کریں گی، کیونکہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائینگے، اور ان کا کہنا یہ تھا کہ جب تک نفس کو نہیں کچلیں گے اور جب تک خواہشات کو نہیں دبائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا نہیں کریں گے، عیسائیت میں یہ نظام جاری تھا۔

رہبانیت، فطرت سے بغاوت ہے

لیکن، یہ نظام فطرت سے بغاوت کا نظام تھا، جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جنسی جذبہ رکھا ہے اور کوئی انسان اس جذبے سے مستثنیٰ نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ جذبہ تو رکھ دیں اور اسکی تسکین کا کوئی حلال اور جائز راستہ نہ بتائیں؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انکی حکمت سے بعید ہے، چنانچہ فطرت سے بغاوت کا انجام یہ ہوا، کہ وہ عیسائی خانقاہیں جن میں راہب مرد اور عورتیں رہتی تھیں، رفتہ رفتہ یہ خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے

، اس لئے کہ وہ مرد اور عورتیں انسان اور بشر تھے، ان کے دل میں جنسی خواہش کا جذبہ پیدا ہونا لازم تھا، اس جذبے کو پورا کرنے کیلئے شیطان نے ان کو غلط راستے سمجھائے۔

شیطان کی پہلی چال دیکھئے

چنانچہ شیطان نے ان کو یہ راستہ سمجھایا، کہ اپنے نفس کو جتنا کچلو گے اور جتنا اپنے نفس پر ضبط کرو گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور جب خواہش بہت زیادہ شدید ہو رہی ہو، اس وقت میں اس نفس کو کچلو گے، تو اللہ تعالیٰ بہت راضی اور خوش ہوں گے، لہٰذا ایسا کریں کہ راہب مرد اور عورت دونوں ایک کمرے میں رہیں، ایک کمرے میں رہنے کے نتیجے میں خواہش زیادہ ابھرے گی اور اس کو زیادہ سختی سے دبانا پڑے گا اور زیادہ سختی سے دبائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اور زیادہ راضی ہونگے، چنانچہ مرد و عورتیں ایک کمرے میں رہنا شروع ہو گئے۔

شیطان کی دوسری چال دیکھئے

اس کے بعد شیطان نے یہ سجھایا کہ ابھی اور زیادہ نفس کو کچلنے کی ضرورت ہے، لہٰذا راہب مرد اور عورت ایک چارپائی پر سوئیں، جس کے نتیجے میں جب خواہش زیادہ پیدا ہو تو ان کو دبائیں اور کچلیں، تو اللہ تعالیٰ اس سے اور زیادہ خوش اور راضی ہوں گے، چنانچہ جب

ایک ساتھ چارپائی پر سوئے، تو نتیجہ ظاہر ہے، اس کے نتیجے میں بالآخر یہ ساری خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے، عام زندگی میں اتنی بدکاری نہیں تھی، جتنی بدکاری ان راہبوں کی خانقاہوں میں پیدا ہوئی، یہ فطرت سے بغاوت کا نتیجہ تھا۔

نکاح کرنا آسان کر دیا گیا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو دین عطا فرمایا، اس میں اس انسانی فطرت کی رعایت رکھی گئی ہے، چونکہ یہ جنسی خواہش انسان کی فطرت کا ایک جذبہ ہے، لہٰذا اس تسکین کا ایک حلال راستہ ہونا چاہیے اور وہ حلال راستہ ''نکاح'' ہے پھر اس نکاح کو شریعت نے اتنا آسان کر دیا کہ اس میں کوئی پائی پیسے کا خرچ نہیں ہے، کسی تقریب کی ضرورت نہیں ہے، یہاں تک کہ مسجد جانا اور کسی سے نکاح پڑھوانا بھی شرط نہیں ہے، بلکہ نکاح کیلئے بس اتنی شرط ہے کہ میاں بیوی اور دو گواہ مجلس کے اندر موجود ہوں اور اس مجلس میں دو گواہوں کے سامنے لڑکا یہ کہہ دے، کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور لڑکی جواب میں یہ کہے، کہ میں نے قبول کیا، یا لڑکی یہ کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور لڑکا جواب میں یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، اور دونوں مہر متعین کر لیں، بس نکاح ہو گیا۔

عیسائی مذہب میں نکاح کی مشکلات

جبکہ عیسائیوں کے یہاں "کلیسا" کے باہر نکاح کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اگر دو مرد وعورت دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیں، تو عیسائی مذہب میں وہ نکاح نہیں ہوگا، بلکہ عیسائی مذہب میں نکاح اس وقت منعقد ہوگا، جب مرد وعورت کلیسا میں جائیں اور وہاں کے پادریوں کی خوشامد کریں اور اس پادری کو فیس ادا کریں، وہ پادری اپنی فیس وصول کرنے کے بعد نکاح پڑھنے کیلئے خاص وقت مقرر کرے گا، اس وقت میں جب پادری نکاح پڑھائے گا، تب نکاح منعقد ہوگا، ورنہ نکاح نہیں ہوسکتا، شریعت اسلام نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نکاح کسی اور سے پڑھوایا جائے، بلکہ دو مرد وعورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں اور مہر مقرر کرلیں، بس نکاح منعقد ہوگیا، دونوں میاں بیوی بن گئے۔

جنسی تسکین کیلئے دو حلال راستے رکھے گئے ہیں

یہ جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے اور اس جذبہ پر کوئی پابندی اور قدغن نہیں لگائی، لیکن اسکی تکمیل کیلئے قرآن کریم نے دو راستے بیان فرمائے ہیں اور یہ دو راستے جائز اور حلال ہیں اور ان دو کے علاوہ جنسی خواہش پوری کرنے کے

سارے راستے حرام ہیں اور ایک مسلمان کیلئے ضروری اور واجب ہے کہ وہ ان سے پرہیز کرے اور دو حلال راستوں کو ہی اپنائے۔

دو حلال راستوں میں سے ایک تو نکاح کا راستہ ہے کہ انسان نکاح کرکے اپنی بیوی کے ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کرکے اطمنان حاصل کرے یہ راستہ اسکے لئے حلال ہے بلکہ باعث اجر وثواب بھی ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ جنکو باندی اور لونڈی کہا جاتا ہے جو کسی زمانہ میں ہوا کرتی تھیں، پہلے زمانے میں جنگ کے دوران جو کافروں کے لوگ قیدی ہوجاتے تھے تو ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی بنالیا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو ساری دنیا میں یہ طریقہ جاری تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، اللہ تعالیٰ نے انکے آقاؤں (مالکوں) کیلئے حلال کردیا تھا، بشرطیکہ وہ باندیاں مسلمان ہوں یا اہل کتاب میں سے ہوں۔

یہ دو طریقے تو جنسی خواہش پوری کرنے کیلئے حلال ہیں انکے علاوہ انسان جنسی خواہش کی تکمیل کیلئے جو بھی طریقہ اختیار کرے وہ حرام ہے، ان دو راستوں کے علاوہ تمام راستے دنیا میں فساد پھیلانے والے ہیں اور انسان کو انسانیت سے نکال دینے والے ہیں اسلیئے دین اسلام نے ان پر پابندی عائد کردی ہے اب اگر کوئی ان

دوراستوں کے علاوہ اختیار کرے گا وہ حد سے گزرنے والا اور اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے۔

تین چیزوں میں تاخیر نہ کی جائے

ایک حدیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں تاخیر مت کرو۔

(۱) فرض نماز ادا کرنے میں تاخیر نہ کرو۔

یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تو اسکے بعد نماز میں تاخیر نہ کرو جتنی جلدی ہو سکے نماز پڑھ لو۔

(۲) نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ کرو۔

یعنی جب جنازہ تیار ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ کرو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر جنازہ ایسے وقت میں آجائے جب جماعت تیار ہو تو فرض نماز تو پہلے ادا کرلی جائے فرضوں کے بعد جنازہ کی نماز پہلے ادا کرلیں پھر اسکے بعد سنتیں ادا کی جائیں۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ فرضوں کے بعد سنتیں تو پڑھ لیں لیکن نفلیں نہ پڑھیں، پہلے جنازہ کی نماز پڑھیں پھر نوافل ادا کریں، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ لہٰذا نوافل کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے۔

(۳) لڑکی کے رشتے میں تاخیر نہ کی جائے۔

یعنی جب بے شوہر لڑکی کا مناسب شوہر مل جائے تو اسکے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

یہ تین چیزیں ہیں جس میں جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نکاح کے متعلق اہم ہدایات

عن عبد الله بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر الشباب من استطاع الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء. (بخاری ج ۱)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے، اور جو شخص مجامعت

کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ
وہ روزے رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے خواہشات
نفسانی میں کمی کا باعث ہوگا۔''

نکاح کے فوائد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے کئی فائدے ظاہر فرمائے، ایک تو انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی کرنے سے بچتا ہے، دوسرے یہ کہ حرام کاری سے محفوظ رہتا ہے، مزید یہ کہ نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے، گھریلو زندگی میں سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے، جس کے ذریعہ حیاتِ انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے، چوتھی بات یہ کہ نکاح کے ذریعہ کنبہ بڑھتا ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط اور معاشرے میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنا رعب قائم رکھتا ہے، پانچویں بات یہ کہ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہو جاتا ہے کیونکہ اہل وعیال کی خبر گیری و پرورش کے سلسلہ میں مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے، اور دینی زندگی یعنی عبادات واطاعت میں بھی چاق

وچو بند ہو جاتا ہے، چھٹا فائدہ یہ ہے کہ نکاح سے صالح اولاد پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی نیک اولاد ہوتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف دنیا میں سکون واطمینان اورعزت و نیک نامی حاصل ہوتی ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح وسعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ج۳)

نکاح کے متعلق احکام

(۱) فرض: نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر اور نفقہ پر قدرت حاصل ہو اور بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا خوف نہ ہو۔

(۲) واجب: نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہوتا ہے ، جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ تک نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو، نیز مہر ونفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو، اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو تو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی طاقت نہیں رکھتا انتہائی غریب آدمی ہے تو ایسی صورت میں جب تک صاحب حیثیت نہ ہو، اور نکاح نہ کرے تو گناہ گار نہیں ہوگا، ایسے شخص کے لئے حدیث بالا میں ارشاد ہے کہ

وہ کثرت سے روزے رکھے کیونکہ اس سے شہوت کوسکون ہوجاتا ہے ،اور اگر مہر ونفقہ وغیرہ کی طاقت رکھنے والا شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

(۳) سنت مؤکدہ: اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے، یعنی جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہولیکن بیوی کے ساتھ مباشرت ومجامعت کی طاقت رکھتا ہواور مہر ونفقہ کی ادائیگی کی طاقت رکھتا ہو، لہٰذا اعتدال کی صورت میں نکاح نہ کرنے والا شخص گناہ گار ہوتا ہے، جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے والا اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔

(۴) مکروہ: نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے کہ بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے کا خوف ہو۔

(۵) حرام: نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جب کسی شخص کو بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے کا یقین کامل ہو کہ میں اپنی بدمزاجی کی سختی وتندہی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کرسکتا۔

فائدہ

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اسی صورت

کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

(مظاہر حق جدید ج ۳ و معارف القرآن ج ۶)

نکاح سے متعلق قرآنی حکم

قرآن مجید میں نکاح کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے فرمایا:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ.

(سورہ نور ۲۳ پ ۱۸)

"اور جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیاں میں جو اس لائق ہوں (کہ حقوق نکاح ادا کر سکتے ہوں) ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اور نکاح کا پیغام دینے والے کے فقر و افلاس پر نظر کر کے انکار نہ کر دیا کرو (جب کہ اس میں کسب معاش کی صلاحیت موجود ہو کیونکہ) اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، (جس کو چاہے مالدار کر دے) اور سب کا حال جانے والا ہے۔"

ایامیٰ: آئم کی جمع ہے جو ہر اس مرد وعورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو، خواہ ابتداء ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا ہو، ایسے مردوں اور عورتوں کے نکاح کے لئے ان کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے نکاح کا انتظام کریں۔

(معارف القرآن ج ۶)

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس وپیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھائیں گے، مذکورہ آیت کریمہ میں انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رکو، تمہاری اور تمہارے بیوی بچوں کی روزی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشادگی کر دے، نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس کو مستلزم ہے، یہ باتیں حق تعالیٰ کے ذمہ ہیں اور حق تعالیٰ شانہ جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشادگی کر دیتا ہے۔

فی الحال جن کو اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لاسکیں یعنی مہر ونفقہ وغیرہ کی حد تک ضروری خرچ اس کے پاس نہیں تو اس کے بارے میں اگلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى
يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (سورۃ النور پ۱۸)

''اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کی قدرت نہیں ان
کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) قابو میں رکھیں یہاں
تک کہ اللہ تعالیٰ (اگر چاہے تو) ان کو اپنے فضل
سے غنی کر دے۔''

یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور عفیف رہنے کی کوشش کریں، کچھ بعید نہیں کہ اس ضبط نفس اور عفت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے

اور صبر کے لئے ایک بہترین تدبیر بھی حدیث میں بتلادی گئی کہ کثرت سے روزے رکھے۔

خاندانی نظام میں نکاح کی اہمیت اور اسکا مقصد

خاندانی نظام کی ابتداء، ازدواجی زندگی سے ہوتی ہے جسکا بنیادی مقصد اخلاق، شرم وحیا والا ماحول پروان چڑھانا ہے کیونکہ نکاح ایک ایسا جائز شرعی معاہدہ ہے جسکی بدولت ایک مرد اور عورت رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کہ معاشرہ میں شاندار خاندانی نظام وضع کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص نے نکاح کرلیا اس نے اپنا آدھا دین بچالیا، یعنی نکاح جو خاندانی نظام کا بنیادی ستون ہے اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا دین قرار دیا ہے کیونکہ نکاح سے نہ صرف ایک نظام یا خاندان کی بنیاد پڑتی ہے بلکہ معاشرہ کئی قسم کی اخلاقی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور نکاح عزت، عصمت وحیا کی حفاظت کا بھی بہترین ذریعہ ہے اسی لئے قرآن مجید میں نکاح کو لفظِ احصان سے تعبیر کیا گیا ہے، حصن قلعے کو کہتے ہیں اور احصان کے معنی قلعہ بندی کے ہیں، جو مرد نکاح کرتا ہے وہ ''محصن'' ہے گویا وہ ایک قلعہ تعمیر کرتا ہے، اور جس عورت سے نکاح کیا جاتا ہے وہ ''محصنہ'' ہے یعنی اس قلعے کی حفاظت میں آئی جو نکاح کی صورت میں اسکے نفس اور اسکے اخلاق کی حفاظت کیلئے تعمیر کیا گیا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام میں نکاح کا اوّلین مقصد اخلاق اور عصمت کا تحفظ ہے اور قانونِ ازدواج کا پہلا کام اس قلعے کو مستحکم کرنا ہے جو نکاح کی صورت میں اس گراں قدر چیز کی حفاظت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ
مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (النساء: ۲۴)

"(یہ عورتیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں) ان کے سوا باقی سب
عورتیں تم پر حلال کردی گئیں ہیں یوں کہ تم ان کو اپنے
مالوں کے ذریعہ سے اپنے نکاح میں لاؤ اسطرح سے کہ تم
بیوی بناؤ (نکاح کر کے) صرف مستی نکالنا نہ ہو"

پھر عورتوں کیلئے کہا گیا:

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا
مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ (النساء: ۲۵)

"پس تم ان سے نکاح کرلیا کرو ان کے مالکوں کی
اجازت سے اوران کوانکے مہر قاعدے کے مطابق
دیدیا کرواس پروہ منکوحہ بنائی جائیں نہ کہ علانیہ یا چوری
چھپے بدکاری کرنے والی ہوں۔"

ان آیات کے الفاظ اور معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ اسلام کی نگاہ میں سب سے زیادہ اہمیت اس چیز کی ہے مرد
اورعورت کے ازدواجی تعلق میں احصان یعنی اخلاق اورعفت
وعصمت کا پورا پورا تحفظ ہو۔

یہاں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ نکاح کا پہلا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ذریعہ گناہوں سے بچ جائے اسی لئے میاں بیوی کو زندگی کا ساتھی کہتے ہیں، دونوں نے ایک دوسرے کے ذریعہ گناہوں سے بچنا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کا معاون بن کر فرمانبرداری والی زندگی گزارنا ہوتا ہے۔

دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کی دونوں صنفوں کے درمیان ازدواج کا تعلق مودّت ورحمت کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ مناکحت سے تمدن وتہذیب کے جو مقاصد متعلق ہیں ان کو وہ اپنے اشتراک عمل سے درجہ اتم پورا کرسکیں اور ان کو اپنی خانگی زندگی میں وہ راحت ومسرت اور سکون وآرام حاصل ہوسکے جس کا حصول انہیں تمدن کے بالاتر مقاصد پورے کرنے کی قوت بہم پہنچانے کے لئے ضروری ہے ،قرآن مجید میں اس مقصد کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں زوجیت کا تصور ہی مودّت ورحمت ہے، اور زوجین بنائے ہی اسی لئے گئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کریں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا

لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً

وَّرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے
تمہارے لیے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے ہیں
تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے
درمیان محبت اور رحمت پیدا کی ہے۔''

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹)

''اللہ وہی ہے جس نے تم کو تنِ واحد سے پیدا کیا اور اس
کے لئے خود اسی کی جنس سے ایک جوڑا بنایا تا کہ وہ اس
کے پاس سکون حاصل کرے۔''

پھر ایک دوسرے پیرائے میں زوجیت کے اس تصور کو یوں پیش کیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرة: ۱۸۷)

''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔''

یہاں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے، لباس وہ چیز ہے جو انسان کے جسم سے متصل رہتی ہے اور اسکی پردہ پوشی کرتی ہے اور اس کو خارجی فضا کے مضر اثرات سے بچاتی ہے، اس لباس کے استعارے کو زوجین کے لیے استعمال کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ

ان کے درمیان مناکحت کا تعلق معنوی حیثیت سے ویسا ہی تعلق ہونا چاہیے جیسے جسم اورلباس کے درمیان ہوتا ہے، ان کے دل اوران کی روحیں ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوں، وہ ایک دوسرے کی ستر پوشی کریں، اورایک دوسرے کوان اثرات سے بچائیں جوان کی عزت اوران کے اخلاق پر حرف لانے والے ہوں ، یہی مقتضا ہے موڈت ورحمت کا، اوراسلامی نقطۂ نظر سے یہ ازدواجی تعلق کی اصلی روح ہے، اگرکسی ازدواجی تعلق میں یہ روح نہیں ہے توگویاوہ ایک بے جان لاش ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح رہیں

اسلام میں ازدوجی تعلقات کے لیے جوقوانین مقرر کیے گئے ہیں ان سب میں اس مقصد کوپیش نظر رکھا گیا ہے، زوجین اگرایک دوسرے کے ساتھ رہیں، توصلح وآشتی، محبت اوریک جہتی کے ساتھ رہیں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں، اورآپس کے تعلقات میں فیاضانہ برتاؤ رکھیں، لیکن وہ اگرایسانہ کرسکیں توپھران کی یک جائی سے جدائی بہتر ہے، کیونکہ موڈت ورحمت کی روح نکل جانے کے بعدازدواجی تعلق ایک مردہ جسم ہے جس کواگردفن نہ کردیاجائے توعفونت پیدا ہوگی اوراس سے خانگی زندگی کی ساری

فضا زہرآلود ہو جائے گی۔

اسی لیے قرآن مجید کہتا ہے:

وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ (النساء: ۱۲۹، ۱۳۰)

''اگر آپس میں موافقت سے رہو اور ایک دوسرے سے زیادتی کرنے سے بچو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر (یہ نہ ہوسکے) اور زوجین ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے وسیع خزانہ غیب سے ہر ایک کی کفالت کرے گا۔''

پھر جگہ جگہ احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تاکید کی گئی ہے کہ:

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (بقرہ: ۲۲۹)

''یا تو بھلے طریقہ سے ان کو اپنے پاس رکھا جائے یا احسان (خوش اسلوبی) کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔''

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (الطلاق: ۲)

''یا تو بھلے طریقے سے ان کو اپنے رکھو یا بھلے طریقے سے ان سے جدا ہو جاؤ۔''

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء: ۱۹)

''اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح رہو۔''

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرہ: ۲۳۱)

''یا تو بھلے مانسوں کی طرح ان کو رکھو یا بھلے مانسوں کی طرح رخصت کردو، محض ستانے کے لیے ان کو نہ روک رکھو کہ ان کی حق تلفی کرنے لگو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے نفس پر خود ظلم کرے گا (یعنی اپنے آپ کو خدا کے عذاب کا مستحق بنائے گا)۔''

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ (البقرہ: ۲۳۷)

''اور آپس کے تعلقات میں فضل کو نہ بھولو (یعنی فیاضی کا برتاؤ کرو)۔''

یہ تھی مختصر سی گفتگو خاندانی نظام میں نکاح کی اہمیت کے حوالے سے، اللہ تعالیٰ ان مقاصد کے حصول میں ہماری مدد فرمائے (آمین)

دین دار بیوی کا انتخاب کیا جائے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قَالَ رَسُوْلُ

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَلِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ (متفق علیہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت سے چار خصوصیات کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔ (۱) اس کے مال کی بنیاد پر (۲) اس کی خاندانی شرافت کی بنیاد پر (۳) اس کی خوب صورتی کی بنیاد پر (۴) اور اس کے دین کی بنیاد پر، تو تم دین دار عورت کو حاصل کرو اور خاک آلود ہوں تیرے دونوں ہاتھ (یعنی اس میں تمہارا بھلا ہوگا)۔''

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے لیے عورت میں یہ چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں، کوئی مال دیکھتا ہے، کوئی خاندانی شرافت کا لحاظ کرتا ہے اور کوئی اس کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی کرتا ہے اور کوئی اس کے دین کو دیکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وصیت کی کہ اصل چیز جو دیکھنے کی ہے وہ اس کی دین داری اور تقویٰ ہے، ویسے اگر اور سب چیزیں بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن دین کو نظر انداز کرنا اور صرف

مال و جمال کی بنیاد پر شادی کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔

عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لاتزوجوا النساء لحسنهن فعسی حسنهن ان تردیهن ولاتزوجوهن لاموالهن فعسی اموالهن ان تطغیهن ولکن تزوجوهن علی الدین ولامة سوداء ذات دین افضل (منتقی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کا حسن انہیں تباہ کردے اور نہ ان کے مال دار ہونے کی وجہ سے شادی کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کا مال انہیں طغیان و سرکشی میں مبتلا کردے، بلکہ دین کی بنیاد پر ان سے شادی کرو، اور سیاہ رنگ کی باندی جو دین دار ہو، اللہ کی نگاہ میں گوری خاندانی عورت سے بہتر ہے۔''

فتنہ وفساد کا سبب

عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا

خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ
فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ
وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (ترمذی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس
شادی کا پیغام کوئی ایسا شخص لائے جس کے دین
واخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کردو، تم
ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑی خرابی
پیدا ہوگی۔''

یہ حدیث پہلی حدیث کے مضمون کی تائید کرتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے سلسلے میں دیکھنے کی چیز دین واخلاق ہے، اگر یہ نہ دیکھا جائے بلکہ مال وجائیداد اور خاندانی شرافت ہی دیکھی جائے تو مسلمان معاشرے میں اس سے بڑی خرابی واقع ہوگی، جو لوگ اتنے دنیا پرست بن جائیں کہ دین ان کی نظر سے گر جائے اور مال وجائیداد ہی ان کے ہاں دیکھنے کی چیزیں بن جائیں تو ایسے لوگ دین کی کھیتی کو سینچنے کی فکر کہاں کرسکتے ہیں، اسی حالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ اور فساد کہا ہے۔

خطبہ نکاح اور اسکی اہمیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مسعود رضی اللّٰه عنه قَالَ
عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ
قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ
وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا
النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا
وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
وَالتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ
نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ
أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا فَمَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ قَالَ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ فَفَسَّرَهَا
لَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيّ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَ
لَاتَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ

(اِتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِی تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا) (اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا) (ترمذی)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا تشہد بھی سکھایا اور نکاح کا تشہد بھی سکھایا، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کا تشہد بتانے کے بعد کہا: نکاح کا تشہد یہ ہے (جو اصل حدیث میں اوپر درج ہوا اور جس کا مفہوم یہ ہے، شکر اور تعریف صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں، ہم اسی سے مغفرت کے طلب گار ہیں، اور اپنے نفس کی برائیوں کے مقابلے میں اللہ کی پناہ میں اپنے آپ کو دیتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے (اور ہدایت کے طالب ہی کو وہ ہدایت دیتا ہے) اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے وہ گمراہ کردے (اور گمراہ صرف اسی کو کرتا ہے جو گمراہ ہونا چاہتا ہے) اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے

اور رسول ہیں، پھر تین آیتیں پڑھتے جو سفیان ثوریؒ
کی تشریح کے مطابق یہ ہیں:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۱۰۲) (۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا
(النساء: ۱)

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا. يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

یہ خطبہ ہے جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے، یہاں اسے لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نکاح صرف خوشی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک معاہدے ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان طے پاتا ہے کہ ہم دونوں زندگی بھر کے ساتھی اور مددگار بن گئے ہیں، یہ

معاہدہ کرتے وقت خدا اور خلق دونوں کو گواہ بنایا جاتا ہے اور خطبہ نکاح کی آیتیں اس بات کی طرف صاف صاف اشارہ کرتی ہیں کہ اگر اس معاہدے میں شوہر یا بیوی کی طرف سے کوئی خرابی پیدا کی گئی اور اسے ٹھیک سے نبھایا نہ گیا تو خدا کا غصہ اس پر بھڑکے گا اور وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہوگا۔

درج بالا آیات کا ترجمہ

پہلی آیت کا ترجمہ:

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی پوری فکر رکھنا اور مرتے دم تک خدا کے احکام کی تعمیل میں لگے رہنا۔''

دوسری آیت کا ترجمہ:

''اے لوگو! اپنے پالنے والے کی ناراضی سے بچتے رہنا جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں کے ذریعے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، تو ایسے خالق پاک باز کی ناراضی سے ڈرتے رہنا جس کا نام لے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حق

کا مطالبہ کرتے ہو، اور رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ
رکھنا، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔"

تیسری آیت کا ترجمہ:

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور صحیح
بات اپنی زبان سے کہنا، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال
کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف
کر دے گا، اور جو شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی اطاعت و فرماں برداری کرے گا، وہ بڑی کام
یابی پائے گا۔"

تینوں آیتوں میں مشترکہ جزء تقویٰ ہے

اگر آپ غور کریں تو ان تینوں آیتوں میں جو چیز قدرے مشترک ہے جس کا ذکر ان تینوں آیتوں میں ہے وہ تقویٰ ہے اور تینوں آیتیں تقویٰ کے بیان سے شروع ہو رہی ہیں نکاح کے موقع پر تقویٰ کی تاکید اس لئے کیجا رہی ہے کہ لوگ عموماً نکاح کے معاملے کو دین سے الگ سمجھتے ہیں اور اسکے متعلق جو احکام ہیں اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں شریعت کی طرف دھیان نہیں دیتے اسی وجہ سے نکاح کے موقع پر خاص طور سے اس بات کی تاکید کی جا رہی ہے کہ

تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اگر تقویٰ نہ ہوگا تو درحقیقت یہ نکاح کا رشتہ صحیح معنوں میں کبھی خوشگوار نہیں ہوسکتا اور تقویٰ کے بغیر ایک دوسرے کے حقوق صحیح معنوں میں ادا ہو ہی نہیں سکتے۔

یہ دراصل دونوں میاں بیوی کو یاد دہانی ہے کہ اللہ کا ڈر و خوف اپنے اندر پیدا کرو اللہ ایک دوسرے کا حق ادا کرنیکی بھرپور فکر اور کوشش کرو، تب ہی تمہاری زندگی پرسکون ہوسکتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں: نکاح کا یہ بندھن حقوق العباد کی اہمیت بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے اس حوالے سے دونوں حقوق العباد کی اہمیت کو بھی سمجھیں حقوق اللہ کی تلافی آسان ہے لیکن حقوق العباد کی تلافی بہت مشکل ہے، اسی لئے ان تینوں خطبہ کی آیات میں دونوں کو تقویٰ یعنی خدا خوفی کا ایک سبق دیا گیا ہے تاکہ دونوں میں سے کوئی بھی اس نکاح کے عہد کو نہ توڑے اور حقوق العباد کا مجرم نہ بنے۔

برکت والا نکاح

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اعظم النکاح برکة ایسر مؤنة. (مسند احمد)

یعنی سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو زیادہ مشقت نہ اٹھائی گئی ہو بلکہ سادگی کے ساتھ بغیر کسی

تکلف کے نکاح کرلیا گیا ہو ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ زیادہ برکت عطا فرماتے ہیں۔

ہم نے نکاح کو مشکل بنا دیا

لیکن شریعت نے اس نکاح کو جتنا آسان بنا دیا تھا ہم نے اس کو اتنا ہی مشکل بنا دیا آج کل نکاح کرنا ایک عذاب ہے سالوں اور مہینوں پہلے سے جب تک اس کی تیاری نہ کی جائے اور اس پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ کیا جائے اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کس طرح نکاح ہوتے تھے۔

سادگی سے نکاح کرنے کا واقعہ

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علی وسلم نے صراحت کیساتھ خوش خبری دیدی، کہ یہ جنت میں جانے والے ہیں، یوں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت تعلق تھا، لیکن عشرہ مبشرہ تو وہ دس ہیں، جو اخص الخواص ہیں، ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

، حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، آپ نے دیکھا کہ ان کی قمیص پر ایک زرد نشان لگا ہوا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری قمیص پر یہ نشان کیسے لگ گیا؟ جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یارسول اللہ! میں نے نکاح کیا ہے، نکاح کی وجہ سے میں نے خوشبو لگائی تھی، یہ اس خوشبو کا نشان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا دیتے ہوئے فرمایا:

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَعَلَیْکَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ(بخاری)

"اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے، ولیمہ کرلینا، چاہے ایک بکری کے ذریعہ ہو"

سادگی آپ بھی اختیار کریں

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں سے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دور کا رشتہ بھی ہے، عشرہ مبشرہ میں بھی ہیں لیکن اپنے نکاح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بلایا نکاح کے بعد آپ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے اور پھر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شکایتاً یہ نہیں کہا کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح

کرلیا ہمیں بلایا بھی نہیں بلکہ برکت کی دعا دی کہ:

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَعَلَیْکَ.

البتہ یہ فرمایا کہ ولیمہ کر لینا چاہے اس کے لئے ایک بکری ہی ذبح کرنی پڑے، اب دیکھئے کہ نکاح کی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھی دعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

آج اگر کوئی شخص اس طرح نکاح کرلے اور اپنے خاص لوگوں کو بھی نہ بلائے تو پھر دیکھئے کہ اس سے لوگوں کو کتنی شکایتیں ہوں گی اور گلے شکوے ہوں گے کہ دیکھو انہوں نے تو اکیلے اکیلے نکاح کرلیا ہمیں پوچھا تک نہیں، لیکن قربان جایئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شکایت نہیں کی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ اور نکاح کی سادگی

ایک اور انصاری صحابی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے حد چہیتے صحابی اور لاڈلے صحابی تھے، انہوں نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے برسبیل تذکرہ ذکر کردیا کہ یارسول اللہ! میں نے نکاح کرلیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کسی کنواری سے نکاح کیا یا بیوہ سے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! میری

چھوٹی چھوٹی چھ بہنیں ہیں، ان کو ایسی عورت کی ضرورت تھی، جو سمجھدار ہو، اور ان کی تربیت بھی کر سکے، اب اگر میں کسی کنواری سے نکاح کرتا، تو وہ ان کی پوری دیکھ بھال نہ کرسکتی، اس لئے میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے نکاح میں برکت دے۔ (بخاری)

یہاں بھی نہ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی، کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا اور ہمیں نہیں پوچھا، نکاح کے بارے میں اسلام کا یہ مزاج تھا، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا۔

آج ہم نے ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ رہنے کے نتیجے میں اپنے نکاح اور شادی میں اتنی رسمیں بڑھالی ہیں، کہ وہ نکاح ایک عذاب بن کر رہ گیا ہے اور ایک عام آدمی کیلئے نکاح کرنا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔

بہرحال! شریعت نے نکاح کا راستہ آسان کر دیا، کہ اس طرح نکاح کرلو اور اس نکاح کے ذریعے اپنی جنسی خواہش جائز ذریعہ سے پوری کرلو، اسلام نے رہبانیت کی دعوت نہیں دی، کہ تم نکاح کو بالکل چھوڑ دو۔

جائز تعلقات پر اجر وثواب

شریعت نے نہ صرف یہ کہ نکاح کی اجازت دی، بلکہ یہ بھی بتادیا کہ میاں بیوی کے درمیان جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں، وہ نہ صرف جائز ہیں، بلکہ وہ تعلقات ثواب کا ذریعہ ہیں، ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ تو ہم اپنی ذاتی لذت حاصل کرنے کی خاطر کرتے ہیں اس میں ثواب کیوں دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم یہ لذت حرام طریقے سے حاصل کرتے تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بیشک گناہ ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نے حرام طریقے چھوڑ دیئے اور اللہ کے حکم پر حلال طریقے اختیار کر رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس حلال طریقے پر ثواب عطا فرماتے ہیں اور یہ عمل تمہارے لئے اجر وثواب کا باعث ہے۔

اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ

نکاح کیلئے دونوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے لیکن اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی عورت سے مسلمان کا نکاح شریعت میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، مشرکہ عورت سے جائز نہیں، ہمارے زمانے کے یہود ونصاریٰ برائے نام اہل کتاب ہیں، ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ

کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے، نہ اللہ رب العزت کی وحدانیت کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہذا ان کے ذبیحہ اور عورتوں کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا، نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی ذاتہ کوئی وجہ حرمت نہیں، لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہوتو ایسے حلال سے انتفاع کی (شرعاً) اجازت نہیں دی جائے گی، موجودہ زمانہ میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھانا، پینا، بےضرورت اختلاط کرنا، ان کی عورتوں سے نکاح کے جال میں پھنسنا، یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں، لہذا بددینی کے اسباب وذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہیے، جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کے نزدیک بھی انہیں مفاسد وخرابی کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ (معارف القرآن ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ (سورة البقرہ: ۲۲۱)

"مشرکہ عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں۔"

اور میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑا شرک کون سا ہوگا کہ وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام یا کسی دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندے کو اپنا رب اور معبود قرار دے۔

ایک مرد کے لئے متعدد بیویاں رکھنا

ایک مرد کیلئے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا، دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں، ''مسٹر ڈیون پورٹ'' جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاص برکت دی ہے۔

قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے: ''جو عورتیں تمہیں پسند ہوں (یعنی جو عورتیں تمہیں طبعی طور پر پسند ہوں اور تمہارے لئے شرعاً حلال بھی ہوں) ان سے نکاح کرسکتے ہو، دو دو، تین تین، چار چار،

اور اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک ہو وہی سہی۔

ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری نہ کرسکے تو وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا، البتہ یہ مساوات ان امور میں ضروری نہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں مثلاً قلب کا میلان کسی کی طرف زیادہ ہوجائے تو اس غیر اختیاری معاملہ میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں بشرطیکہ اس میلان کا اثر اختیاری معاملات پر نہ پڑے۔"

مسئلہ: دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی رضامندی شرعاً شرط نہیں، لیکن پہلی بیوی کے برابر کے حقوق ادا کرنا شوہر کے لئے واجب ہے، اگر کوئی شخص پہلی بیوی سے قطع تعلق رکھے گا تو شرعاً مجرم ہوگا۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو ایک نظر دیکھ لینا بہتر ہے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَلْقَى

اللّٰهُ فِي قَلْبِ امْرِءٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا (احمد ، وابن ماجه)

''حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کے دل میں کسی عورت کے لیے نکاح کا پیام دینے کا خیال ڈالے تو اس کے واسطے گناہ نہیں ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لے۔''

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِيْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا (احمد، ترمذی، نسائی ، ابن ماجه)

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیام دیا (یا پیام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا ایک نظر دیکھ لو، یہ اس مقصد کیلئے زیادہ مفید ہوگا کہ تم دونوں میں الفت و محبت اور خوش گواری رہے۔''

فائدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا مقصد یہی ہے کہ نکاح وشادی کا مسئلہ بہت اہم ہے ساری عمر کے لیے ایک فیصلہ اورمعاہدہ ہے، یہ مناسب نہیں کہ یہ معاملہ ناواقفی و بے خبری کے ساتھ اندھیرے میں ہو، بلکہ واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہیے، قابل اعتماد لوگوں اور خاص کر عورتوں کے ذریعہ بھی صحیح معلومات حاصل ہوسکتے ہیں، جوبھی ذریعہ اختیار کیا جائے، بلکہ اچھا ہے کہ ان کوخبر بھی نہ ہو۔

سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کے لیے نکاح کا پیام دینے کاارادہ کیا تو رسول اللہ کی اس ہدایت کے مطابق میں چھپ چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا تھا، یہاں تک کہ اس میں کامیاب ہوگیا پھر میں نے اس سے نکاح کرلیا۔

پیام پر دوسرا پیام نہ دیا جائے

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ (بخاری ومسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ
کرے کہ اپنے دوسرے بھائی کے پیام نکاح کے مقابلہ
میں اپنا پیام دے، تاآنکہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑ دے
اور بات ختم ہوجائے۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کے لیے اپنا پیام دے دیا ہے تو جب تک کہ ادھر کا معاملہ ختم نہ ہوجائے کسی دوسرے آدمی کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنا پیام وہیں کے لیے دے، ظاہر ہے کہ یہ بات پہلے پیام دینے والے آدمی کے لیے ایذا اور ناگواری کا باعث ہوگی اور ایسی باتوں سے بڑے فتنے پیدا ہوسکتے ہیں۔

نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی اور ولی کا مقام

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الثَّیِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِھَا
مِنْ وَلِیِّھَا وَالْبِکْرُ یَسْتَأْذِنُھَا أَبُوْھَا فِیْ نَفْسِھَا
وَإِذْنُھَا صُمَاتُھَا (مسلم)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

شوہر دیدہ عورت کا اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے
زیادہ حق اور اختیار ہے اور باکرہ (کنواری) کے باپ کو بھی
چاہیے کہ اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت
حاصل کرے اور اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى
تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا
كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ (بخاری ومسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت
کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے
دریافت نہ کرلیا جائے، اور باکرہ (کنواری) لڑکی
کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے صحابہ
نے عرض کیا اس کی اجازت کا طریقہ کیا ہوگا؟ آپ نے
فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اسکی
اجازت سمجھا جائے گا)۔"

فائدہ

ایّم کے اصل معنی ہیں بے شوہر والی عورت، لیکن اس حدیث

میں اس سے مراد ایسی عورت ہے جو شادی اور شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد بے شوہر ہوگئی ہو، خواہ شوہر کا انتقال ہوگیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو، (اسی کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ او پر والی حدیث میں "ثیب" کہا گیا ہے) ایسی عورت کے بارے میں ان دونوں حدیثوں میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کی رائے اور مرضی معلوم کیے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے، یعنی یہ ضروری ہے کہ وہ زبان سے یا واضح اشارہ سے اپنی رضامندی ظاہر کرے، اور وہ کنواری لڑکی جو عاقل بالغ تو ہو لیکن شوہر دیدہ نہ ہو، اس کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، لیکن ایسی عورتوں کو حیا و شرم کی وجہ سے چونکہ زبان یا اشارہ سے اجازت دینا مشکل ہوتا ہے اس لیے دریافت کرنے اور اجازت مانگنے پر ان کی خاموشی کو بھی اجازت قرار دے دیا گیا ہے، ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی عاقل بالغ عورت کا نکاح خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو، اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا ولی نہیں کرسکتا، ہاں اگر کوئی لڑکی صغیر السن ہے، ابھی نکاح شادی کے بارے میں سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں ہے اور کوئی بہت اچھا رشتہ سامنے ہے اور خود لڑکی کی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا نکاح کردیا جائے، تو ولی (جو خیر خواہی کا ذمہ دار ہے) اپنی خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق نکاح

کرسکتا ہے، جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اپنی صوابدید کے مطابق اس وقت کردیا تھا جب کہ ان کی عمر ۶۔۷ سال کی تھی۔

عَنْ أَبِی مُوسَی الاشعری رضی اللّٰہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ إِلَّا بِوَلِیٍّ (الترمذی)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔''

فائدہ

حدیث کا مقصد ومدعا بظاہر یہ ہے کہ نکاح ولی ہی کے ذریعہ ہونا چاہیے عورت کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے، یہ اس کے شرف اور مقام حیا کے بھی خلاف ہے اور اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔

اتنی بات تو باتفاق آئمہ ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ اپنا نکاح کرنے کے لیے کوئی بھی مرد یا عورت بلاواسطہ خود اقدام اٹھانے کے بجائے اپنے اولیاء کے توسط سے یہ

کام انجام دے، اس میں دین و دنیا کے مصالح اور فوائد ہیں خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں، لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں تو یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے، اور اس میں فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی ہے اس لئے بعض روایاتِ حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلا واسطہ ولی کے کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔

نکاح کو اعلانیہ کیا جائے

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ (رواہ الترمذی)

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح بالاعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو، اور دف بجوایا کرو۔“

فائدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو، اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے لہٰذا بالاعلان کیا جائے اور اس کے لیے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں

کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہوگی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہوگی، گواہوں شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہوجائے گی۔

نکاح کیلئے گواہ ضروری ہیں

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ(رواه الترمذی)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوعورتیں اپنا نکاح گواہوں کے بغیر (چوری چھپے) کرلیں وہ حرام کار ہیں۔“

فائدہ

امت کے قریب قریب تمام آئمہ مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے شرائط میں سے ہے کہ، جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو، دونوں مرد مسلمان، عاقل اور بالغ ہوں، یا ایک مرد دو عورتیں

ہوں، اگر کوئی مرد نہیں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں تو نکاح درست نہیں ہے چاہے دس بارہ ہی کیوں نہ ہوں، ایک مرد ضرور ہونا چاہیے۔

نکاح کے متعلق چند مسائل

ٹیلیفون پر نکاح: مجبوراً ٹیلیفون پر نکاح کرنا پڑ جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ٹیلیفون پر یا خط کے ذریعہ لڑکا (یا لڑکی جو بھی مجلس سے غائب ہے) اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دے اور وہ وکیل اسکی طرف سے ایجاب وقبول کرلے، تب تو صحیح ہے، جاننا چاہیے کہ الگ الگ شہروں میں اور مختلف گواہوں سے جو یکجا نہ ہوں ایجاب وقبول نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح میں ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہونا چاہیے اور مزید یہ کہ دولہا اور دلہن دونوں کے گواہ، جو غائب ہو اس کا وکیل اور دوسرا فریق سب کے سب ایک ہی جگہ جمع ہونے چاہئیں۔

اب تھوڑی سی گفتگو مہر کے حوالہ سے ہو جائے۔

مہر کی اہمیت اور اس کا لزوم

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ قَالَ مَا هٰذَا قَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى

وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْلِمْ
وَلَوْ بِشَاةٍ (صحیح البخاری، مشکوٰۃ)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف پر (زعفران کا) زرد نشان دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ''میں نے ایک گھٹلی سونے (مہر) کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن) کرفرمایا: اللہ تمہیں مبارک کرے، تم ولیمہ کرو (یعنی کھانا پکوا کر کھلاؤ) اگرچہ ایک بکری کا ہو''

مہر: حقوق زوجیت حاصل ہونے کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو بیوی کے اس کے شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے، مہر کے دینے کی نیت کا ہونا نکاح صحیح ہونے کی ایک شرط ہے، اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ نیت کرلے کہ ''مہر'' دیا ہی نہ جائے گا تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔　　(مظاہر حق جدید ج ۳)

مہر کی شرعی حیثیت: ادائیگی ہر حال میں

مہر محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز

نہیں ہے، بلکہ شوہر کے ذمے اس کی ادائیگی لازم ہے نکاح میں چاہے مہر کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے بلکہ اگر کوئی شرط کرے کہ ہم مہر نہ دیں گے تب بھی مہر دینا ضروری ہوگا بیوی سے دباؤ ڈال کر معاف کرانے سے بھی معاف نہ ہوگا، الا یہ کہ بیوی خود ہی وصول نہ کرنا چاہے، خوش دلی سے معاف کردے، قرآن پاک میں صراحۃ ارشاد ہے:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ(سورۃ النساء، ۲۴)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرلو۔"

عورتوں کے مہر کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فرمایا:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا(سورۃ النساء : ۴)

"تم لوگ بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دیا کرو ہاں اگر بیویاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں سے کچھ (یا کل) تو تم اس کو کھاؤ (اور برتو) مزہ دار خوش گوار سمجھ کر۔"

غرض اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے اس کی ادائیگی ضروری ہے اور جس طرح تمام حقوق واجبہ کو خوش دلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مہر کو سمجھنا چاہیے، ایک ظلم مہر کے بارے میں یہ ہوتا تھا کہ بہت سے یہ سمجھ کر کہ بیوی ان سے مجبور ہے اور مخالفت نہیں کرسکتی، دباؤ ڈال کر ان سے معاف کرا لیتے تھے جس در حقیقت معافی نہیں ہوتی تھی مگر وہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے تھے کہ معاف ہو گیا، اس ظلم کے انسداد کے لئے آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا (سورة النساء: ۴)

''اگر وہ عورتیں خوش دلی کے ساتھ اپنے مہر کا کچھ حصہ دے دیں تو تم اس کو کھا سکتے ہو تمہارے لئے مبارک ہوگا۔''

دور حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر تو ملنے والا نہیں ،سوال کروں اور معاف نہ کروں تو بد دلی بد مزگی پیدا ہوگی، اس لئے بادلِ نخواستہ معاف کر دیتی ہیں اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں، حضرت حکیم الامت قدس سرہ فرماتے تھے، خوش دلی سے معاف کرنے کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالے کر دی جائے

، اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے واپس دے دیں، مختلف قبیلوں اور علاقوں میں اب بھی ان مظالم میں سے کوئی نہ کوئی ظلم ضرور پایا جاتا ہے ان سب مظالم سے بچنا ضروری ہے۔

(معارف القرآن ج ۲)

مہر کی دو قسمیں مشہور ہیں

''مہر معجّل'' اور ''مہر مؤجل''، یہ الفاظ چونکہ صرف نکاح کی مجلس ہی میں سنائی دیتے ہیں، اس لئے بہت سے لوگوں کو ان کا مطلب معلوم نہیں ہوتا۔

شرعی اعتبار سے ''مہر معجّل'' اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے اور یہ اس کا فریضہ ہے کہ یا تو نکاح کے وقت ہی بیوی کو ادا کر دے یا اس کے بعد جب بھی بیوی چاہے اس سے مطالبہ کر لے، چونکہ ہمارے معاشرے میں خواتین عام طور سے مطالبہ نہیں کرتیں، انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کی ادائیگی ہمارے لیے ضروری نہیں، بلکہ شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ مطالبے کا انتظار کیے بغیر بھی جس قدر جلد ممکن ہو اس فرض سے سبکدوش ہو جائے۔

''مہر مؤجل'' اس مہر کو کہا جاتا ہے جس کی ادائیگی کے لیے فریقین نے آئندہ کی کوئی تاریخ متعین کر لی ہو، جو تاریخ اس طرح متعین کر لی جائے، اس سے پہلے اس کی ادائیگی شوہر کے ذمے لازم

نہیں ہوتی، نہ ہی بیوی اس سے پہلے مطالبہ کرسکتی ہے۔

لہٰذا مہر مؤجل ہونے کا اصل مطلب تو یہی ہے کہ اس کی ادائیگی کیلئے کوئی تاریخ نکاح کے وقت ہی مقرر کرلی جائے، لیکن ہمارے معاشرے میں عام طور سے کوئی تاریخ مقرر کئے بغیر صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اتنا مہر مؤجل ہے، اور ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہر کی یہ مقدار اس وقت واجب الادا ہوگی جب نکاح ختم ہوگا، چنانچہ اگر طلاق ہوجائے یا میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تب اسکی ادائیگی لازم سمجھی جاتی ہے۔

دلہن کو دیئے جانے والے زیورات کا حکم

ایک اور نکتہ یہ قابل ذکر ہے کہ ہمارے معاشرے میں شوہر کی طرف سے دلہن کو جو زیور پہنایا جاتا ہے اس کا بذاتِ خود مہر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق یہ زیور دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ عارضی استعمال کے لئے دیا جاتا ہے، چنانچہ بیوی اسے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ فروخت کرسکتی ہے، نہ کسی کو تحفے میں دے سکتی ہے، نہ کسی اور کام میں لگا سکتی ہے، نیز یہی وجہ ہے کہ اگر خدانخواستہ طلاق کی نوبت آجائے تو شوہر یہ زیور واپس لے

لیتا ہے، لہذا اس زیور سے مہر ادا نہیں ہوتا، ہاں اگر شوہر بیوی سے صراحۃً یہ کہہ دے کہ یہ زیور میں نے بطورِ مہر تمہاری ملکیت میں دے دیا، تو پھر اسے مہر میں شمار کر سکتے ہیں، اس صورت میں بیوی اس زیور کی مالکہ بن کر اس میں ہر طرح کا تصرف کر سکتی ہے اور یہ زیور کسی بھی حالت میں اس سے واپس نہیں لیا جا سکتا، اس کے علاوہ اگر شوہر اس زیور کے بارے میں بیوی کو صراحت کر دے کہ یہ تمہاری ملکیت ہے اور اس کو مہر میں شمار نہ کرے، تو پھر یہ بیوی کی ملکیت شمار ہوگا اور مہر الگ سے دینا ہوگا، بہر صورت! یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ: یہ زیورات کس کی ملکیت ہے۔

''مہر'' کا تعین محض ایک فرضی یا رسمی کاروائی نہیں ہے، جو سوچے سمجھے بغیر کر لی جائے، بلکہ یہ ایک دینی فریضہ ہے، جو پوری سنجیدگی کا متقاضی ہے، یہ ایک معاملے کی بات ہے، شرعاً اس کے تمام پہلو صاف اور واضح ہونے چاہئیں اور معاملے کے مطابق اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے۔

یہ بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ اس حق کی ادائیگی سے ساری عمر بے فکر رہنے کے بعد بسترِ مرگ پر بیوی سے اس کی معافی حاصل کر لی جائے، جب کہ ماحول کے جبر سے اس کے پاس معاف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔

مہر ادا کرنے کا آسان حل

یہاں پر ہم ان شوہروں کیلئے مہر ادا کرنے کے چند آسان حل تحریر کرتے ہیں۔ جن کے نکاح کے وقت اتنی مقدار مہر مقرر کرلیا گیا، جو کہ ان کی مالی استطاعت سے بہت زیادہ تھا اور اب شوہر صاحب کو کتاب کو پڑھ کر یا کسی اور ذریعے سے مہر ادا کرنے کی فکر لگ گئی ہے۔

(۱) عموماً جو زیور شادی کے موقع پر بیوی کو (استعمال کے لئے) دیا جاتا ہے اس کے مالک شوہر صاحب خود ہوتے ہیں اور زکوٰۃ بھی انہی پر واجب ہوتی ہے، لہذا اس زیور میں سے مہر کی رقم کے برابر کا زیور نکال کر بیوی کو دے کر اس کو مالکہ بنادیا جائے اور وضاحت بھی کردی جائے کہ یہ آپ کے مہر کی ادائیگی ہے ،اوران کی زکوٰۃ اب آپ پر واجب ہوگی۔

(۲) یا بیوی کو ہر ماہ کچھ رقم دے کر بتادیا جائے کہ میں قسطوں میں آپ کا مہر ادا کروں گا، اور اسی سلسلے کی یہ ایک قسط ہے۔

(۳) یا کسی خوشی کے موقع پر یا اسلامی تہوار کے موقع پر کوئی قیمتی تحفہ جو آپ اپنی اہلیہ کو دیتے ہیں اس میں مہر ادا کرنے کی نیت کرلیں اور بیوی کو بتادیں۔

مہر اور جہیز کے متعلق چند ضروری مسائل

(۱) بعض لوگ نکاح کے موقع پر لمبے چوڑے مہر باندھ لیتے ہیں مگر ان کی ادائیگی کی نوبت نہیں آتی، بلکہ بعض لوگ تو دینے کی نیت ہی نہیں رکھتے، ایسا کرنا سخت گناہ ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی تاکید آئی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو قرآن مجید میں کم از کم چھ مرتبہ تاکید کی گئی ہے اور اس کو عورتوں کا یہ حقِ شرعی قرار دیا گیا ہے لہٰذا جتنا مہر باندھ دیا گیا ہے اب اس کا دینا واجب ہے۔

(۲) بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ مہر کا تعلق جہیز سے ہے چنانچہ مہر کو جہیز سے جوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم جہیز نہ لیں تو مہر بھی نہیں دیں گے، یا بہت تھوڑا سا دیں گے حالانکہ مہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ایک فرض اور عورت کا ایک شرعی حق ہے، جب کہ جہیز کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، کوئی عورت چاہے جہیز لائے یا نہ لائے مگر اس کا حق شرعی (مہر) دینا ضروری ہے، لہٰذا مہر عورت کا خاص حق ہے نہ تو عورت کا باپ لے سکتا ہے اور نہ اس کا شوہر یا کوئی اور۔

(۳) اگر کوئی شخص ایک بھاری مہر باندھے اور اس قسم کے

رواج میں عادت ہو کہ اس کے عوض ایک بھاری جہیز متوقع ہوتا ہو، مگر لڑکی جہیز میں کچھ بھی نہ لائے تو شوہر کو جہیز کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں، لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر سے جو کچھ بھی تحفے تحائف (بطور جہیز) لاتی ہے وہ سب اس کی اپنی ملکیت ہوتی ہے، اس کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر والے اسے استعمال نہیں کر سکتے، اگر طلاق ہو جائے تب بھی وہی ان سب چیزوں کی مالک ہوگی، یہ چیزیں کسی بھی طرح شوہر کو یا اس کے گھر والوں کو رکھنے کا حق نہیں واپس کرنا ضروری ہے۔

(۴) نکاح کے موقع پر شوہر اپنی بیوی کو جو کچھ مال وزیور وغیرہ دیتا ہے وہ سب کچھ بیوی کی ملکیت ہوتا ہے جس کو واپس لینا شرعاً ناجائز ہے، خواہ طلاق ہی کی نوبت کیوں نہ آ گئی ہو۔

(۵) نکاح کے بعد جب عورت چاہے اپنا مہر طلب کر سکتی ہے، عدم ادائیگی کی صورت میں مرد کے خاص حقوق ادا کرنے سے انکار بھی کر سکتی ہے، عدم ادائیگی کی صورت میں اگر اپنے ہی گھر رک جائے دونوں صورتوں میں نفقہ کی مستحق ہوگی۔

مہر ادا نہ کرنے والا زانی ہے

عن میمون الکردی، عن أبیه، قال: قال رسول

الـلـه صـلـى الـلـه عليه وسلم يقول : أيـمـا رجل تزوج امرأة على ما قل من المهر أو كثر ليس فى نـفسـه أن يؤدى إليها حقها لقى الله يوم القيامة وهو زان (رواه الطبرانى فى الاوسط والصغير)

''میمون کردی اپنے والد سے نقل روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زنا کار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اداء مہر کے بارے میں شروع ہی سے بدنیت ہے، اس نے مہر کا اقرار تو کرلیا ہے لیکن دل میں یہ ہے کہ یہ بس زبانی بات ہے، دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اسکے نکاح میں اتنا بڑا نقص اور وہ اس درجہ کا گناہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔

مہر اور ہماری کوتاہیاں

عموماً مہر کے معاملے میں یہ کوتاہیاں ہوتی ہیں،

۱۔ ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز واقارب کی جانب سے ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رک جاتی ہے، لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں، لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف وسیادت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا مہر زیادہ ہوتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور کسی صاحب زادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا، پانچ سو درہم کی ایک سو اکیس تولے تین ماشے چاندی بنتی ہے، اسی کو ''مہر فاطمی'' کہا جاتا ہے۔

الغرض مسلمانوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہیے، اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہیے جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحب

زادیوں کے لیے رکھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں کوئی گناہ نہیں، لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنالینا جاہلیت کے جراثیم ہیں، جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

۲۔ ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں یہ ہوتی ہے کہ "سوا بتیس روپے" مہر کو "شرعی محمدی" سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم بھی نہیں بنتی، مگر لوگ اسی مقدار کو "شرعی محمدی" سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے، خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے آئمہ حضرات بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔

۳۔ ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، بلکہ رواج یہی بن گیا ہے، کہ بیویاں حق مہر معاف کردیا کرتی ہیں، یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں، یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کردے تو صحیح ہے، لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے، ایک حدیث میں ہے (جو پیچھے

گزر چکی ہے) کہ

''جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے۔'' (بحوالہ کنز العمال ج ۱۶)

۴۔ ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورتوں کے لیے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے، اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، اس لیے وہ چار و نا چار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں، اگر نہ کریں تو معاشرے میں ''نکو'' سمجھی جاتی ہیں۔

ہر مسلمان پر اور خصوصاً دیندار پر لازم ہے کہ وہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں، اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں اور کچھ عرصے تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں، اس سلسلے میں ان پر قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

۵۔ مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی فوت ہو جائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں، حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خانہ آبادی سے یعنی میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا اور اگر میاں بیوی کی خلوت صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا

واجب ہوگا، اور یہ مہر بھی اس ترکہ میں شامل ہوکر اس کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا، اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کرلینا چاہیے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہوا تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضہ میں آجاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے، اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کو حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالینا انتہائی گری ہوئی بات ہے، اس کے علاوہ ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے، بلکہ بعض اوقات دوسرے جائز مال کو بھی ساتھ لے ڈوبتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عقل وایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم ورواج سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

بیوی کے حقوق
یعنی
شوہر کی ذمہ داریاں

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی
جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230
0333-2124384

ایک بہترین شوہر کی پہچان

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَھْلِہٖ وَ أَنَا خَیْرُکُمْ لِأَھْلِیْ.

(رواہ الترمذی)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین
اصطفیٰ امابعد!
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (سورة
النساء ۱۹) صدق اللّٰہ العظیم.

”اور ان (بیویوں) کے ساتھ بھلے انداز میں
زندگی بسر کرو۔“

آج کی نشست میں شوہروں کی ذمہ داریوں سے متعلق کچھ کہنا ہے، یعنی یہ بتلانا ہے، بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں۔

نکاح کے متعلق نوجوانوں کو ہدایات

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا

معشر الشباب من استطاع الباء ة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء .(بخاری ج ا)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے، اور جو شخص مجامعت کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے خواہشاتِ نفسانی میں کمی کا باعث ہوگا۔“

فوائدِ نکاح

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے کئی فائدے ظاہر فرمائے، ایک تو انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی کرنے سے بچتا ہے، دوسرے یہ کہ حرام کاری سے محفوظ رہتا ہے، مزید فائدہ یہ کہ نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے

، گھریلو زندگی میں سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے، جس کے ذریعہ حیاتِ انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے، چوتھی بات یہ کہ نکاح کے ذریعہ کنبہ بڑھتا ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط اور معاشرے میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنا رعب قائم رکھتا ہے، پانچویں بات یہ کہ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہو جاتا ہے کیونکہ اہل وعیال کی خبر گیری و پرورش کے سلسلہ میں مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے، اور دینی زندگی یعنی عبادات واطاعت میں بھی چاق وچوبند ہو جاتا ہے، چھٹا فائدہ یہ ہے کہ نکاح سے صالح اولاد پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی نیک اولاد ہوتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف دنیا میں سکون واطمینان اور عزت ونیک نامی حاصل ہوتی ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح وسعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

(مظاہر حق جدید ج۳)

نکاح کے متعلق احکام

(۱) فرض: نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر اور نفقہ پر قدرت حاصل

ہواور بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا خوف نہ ہو۔

(۲) واجب: نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہوتا ہے، جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ تک نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو، نیز مہر ونفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو، اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو تو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی طاقت نہیں رکھتا انتہائی غریب آدمی ہے تو ایسی صورت میں جب تک صاحب حیثیت نہ ہو، اور نکاح نہ کرے تو گناہ گار نہیں ہوگا، ایسے شخص کے لئے حدیث بالا میں ارشاد ہے کہ وہ کثرت سے روزے رکھے کیونکہ اس سے شہوت کو سکون ہو جاتا ہے، اور اگر مہر ونفقہ وغیرہ کی طاقت رکھنے والا شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

(۳) سنت مؤکدہ: اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے، یعنی جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو لیکن بیوی کے ساتھ مباشرت ومجامعت کی طاقت رکھتا ہو اور مہر ونفقہ کی ادائیگی کی طاقت رکھتا ہو، لہٰذا اعتدال کی صورت میں نکاح نہ کرنے والا شخص گناہ گار ہوتا ہے، جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے والا اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔

(۴) مکروہ: نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے کہ بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے کا خوف ہو۔

(۵) حرام: نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جب کسی شخص کو بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے کا یقین کامل ہو کہ میں اپنی بدمزاجی کی سختی وتندہی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کرسکتا۔

فائدہ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اسی صورت کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

(مظاہر حق جدید ج۳ و معارف القرآن ج۶)

دین دار بیوی کا انتخاب بھی ضروری ہے

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاکَ (متفق علیه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عورت سے چار خصوصیات کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔(۱) اس کے مال کی بنیاد پر (۲) اس کی خاندانی شرافت کی بنیاد پر (۳) اس کی خوب صورتی کی بنیاد پر (۴) اور اس کے دین کی بنیاد پر، تو تم دین

دار عورت کو حاصل کرو اور خاک آلود ہوں تیرے
دونوں ہاتھ (یعنی اس میں تمہارا بھلا ہوگا)۔"

فائدہ

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے لیے عورت میں یہ چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں، کوئی مال دیکھتا ہے، کوئی خاندانی شرافت کا لحاظ کرتا ہے اور کوئی اس کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی کرتا ہے اور کوئی اس کے دین کو دیکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وصیت کی کہ اصل چیز جو دیکھنے کی ہے وہ اس کی دین داری اور تقویٰ ہے، ویسے اگر اور سب چیزیں بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائیں تو یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن دین کو نظر انداز کرنا اور صرف مال و جمال کی بنیاد پر شادی کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔

عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنه ان النبى
صلى الله عليه وسلم قال لاتزوجوا النساء
لحسنهن فعسىٰ حسنهن ان ترديهن
ولاتزوجوهن لاموالهن فعسى اموالهن ان
تطغيهن ولكن تزوجوهن على الدين ولامة
سوداء ذات دين افضل (منتقى)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’عورتوں
سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی نہ کرو
، ہوسکتا ہے کہ ان کا حسن انہیں تباہ کردے اور نہ ان
کے مال دار ہونے کی وجہ سے شادی کرو، ہوسکتا ہے
کہ ان کا مال انہیں طغیان و سرکشی میں مبتلا کردے،
بلکہ دین کی بنیاد پر ان سے شادی کرو، اور سیاہ رنگ کی
باندی جو دین دار ہو، اللہ کی نگاہ میں گوری خاندانی
عورت سے بہتر ہے۔‘‘

دینداری کو بنیاد نہ بنانے کا نقصان

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ
تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ
فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (ترمذی)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس شادی
کا پیغام کوئی ایسا شخص لائے جس کے دین و اخلاق کو تم
پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کردو، تم ایسا نہ کرو گے
تو زمین میں فتنہ اور بڑی خرابی پیدا ہوگی۔‘‘

یہ حدیث پہلی دونوں حدیثوں کے مضمون کی تائید کرتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے سلسلے میں دیکھنے کی چیز دین واخلاق ہے، اگر یہ نہ دیکھا جائے بلکہ مال وجائیداد اور خاندانی شرافت ہی دیکھی جائے تو مسلمان معاشرے میں اس سے بڑی خرابی واقع ہوگی، جولوگ اتنے دنیا پرست بن جائیں کہ دین ان کی نظر سے گر جائے اور مال وجائیداد ہی ان کے یہاں دیکھنے کی چیزیں بن جائیں تو ایسے لوگ دین کی کھیتی کو سینچنے کی فکر کہاں کر سکتے ہیں، اسی حالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ اور فساد کہا ہے۔

ازدواجی زندگی کا مقصد اور آپس کا تعلق

شادی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے ذریعے گناہوں سے بچ جائے اور بیوی اپنے میاں کے ذریعے گناہوں سے بچ جائے، اس لئے ان دونوں کو زندگی کا ساتھی کہتے ہیں، دونوں نے ایک دوسرے کے ذریعے گناہوں سے بچنا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری والی زندگی گزارنے میں ایک دوسرے کا معاون بننا ہوتا ہے، ان کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ بہت مضبوط ہے ،قرآن مجید میں ان کے تعلق کے بارے میں ایسی مثال دی کہ دنیا کا کوئی مذہب ایسی مثال نہ دے سکا، ارشاد فرمایا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ.

''تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم اپنی بیویوں
کا لباس ہو۔''

میاں بیوی کو لباس کیوں کہا گیا؟

بات دراصل یہ ہے کہ لباس کے دو فائدے ہیں، ایک تو اس سے انسان کے بدن کے عیب چھپ جاتے ہیں، اگر بے لباس مرد سے کہیں کہ لوگوں میں چلا جائے تو شرم کی وجہ سے اس کو پسینہ آ جائے، اور اگر کوئی اسے لوگوں کے سامنے زبردستی بے لباس کر دے تو جی چاہے گا زمین پھٹے اور میں اندر اتر جاؤں، تو لباس کے ذریعے انسان اپنے اعضاء کو دوسروں سے چھپاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ لباس انسان کو زینت بخشتا ہے، جسم تو چادر سے بھی چھپ جاتا ہے ،لیکن عموماً اچھا لباس پہنتے ہیں، سنت طریقے سے سر پر عمامہ ہو، جبہ ہو، نیچے تہہ بند ہو یا پاجامہ شلوار ہو، تو اس طرح پہن کر جب انسان چلتا ہے تو شخصیت کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ کپڑوں نے انسان کی شخصیت کو زیبائش بخشی، یہ لباس کا دوسرا فائدہ ہے۔

میاں بیوی کے تعلق کے یہ دو فوائد بڑے اہم فوائد ہیں، اگر بیوی نہ ہو تو خاوند اپنے جنسی تقاضوں کی خاطر نہ معلوم کہاں کہاں منہ مارتا پھرے اور لوگوں کے سامنے ذلت و رسوائی اٹھاتا پھرے، یوں میاں بیوی کی زندگی کی وجہ سے اس کی شخصیت کے عیب چھپ گئے، اور دوسری بات یہ کہ اگر مرد کو اکیلا گھر میں رہنا پڑے تو گھر کے اندر بھی بے ترتیبی ہوگی، اور اسکی

زندگی کا کوئی کام ڈھنگ کا نہ ہوگا، نہ اس کا لباس صاف ستھرا ہوگا نہ اس کے گھر کے کھانے پکانے کا نظام ٹھیک ہوگا، لہٰذا اس کی زندگی میں جمال نہیں ہوگا، ہر وقت ملال یعنی اکتاہٹ ہی رہے گی، بیوی آنے سے انسان کی زندگی کو زینت نصیب ہوتی ہے۔

ایک تیسری چیز ہے جو یہاں سمجھ آتی ہے، وہ یہ کہ لباس انسان کے جسم کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو لباس سے زیادہ انسان کے جسم کے سب سے زیادہ قریب ہو، تو قرآن مجید میں جو لباس کی مثال دی اس سے بتانا یہ مقصود تھا کہ میاں کو پیغام مل جائے کہ اے خاوند! تیرے لئے اب زندگی میں سب سے زیادہ قریب ترین ہستی تمہاری بیوی ہے، اور بیوی کو یہ پیغام دیا گیا کہ تیرے لئے اب زندگی میں قریب ترین ہستی تمہارا خاوند ہے، تم دونوں ایک دوسرے کے لباس کی طرح ایک دوسرے کے جسم کے قریب ہو، جب کوئی چیز اتنی قریب ہوتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے انسان کو محبت ہوتی ہے، تعلق ہوتا ہے، تو قرآن مجید میں میاں بیوی کے تعلق کو اتنے خوبصورت لفظ کے ساتھ مع تشریح واضح کر دیا، اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اسلام جس اعلیٰ تہذیب وتمدن کا داعی ہے وہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے، جب ہم ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہوں اور پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کیلئے ضروری ہے کہ آپ خاندانی نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب بنائیں۔

شوہر بیوی میں تعلق فطری ہوتا ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ.

''عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم عورتوں کے
لیے لباس ہو۔''

اس تشبیہ میں شدت تعلق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، یعنی اس تشبیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زوجین (میاں بیوی) میں بہت شدید اور گہرا تعلق ہے، میاں بیوی کے بارے میں جو تصور قرآن نے دیا ہے وہ آج تک کوئی دوسرا معاشرہ پیش نہ کر سکا۔

اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ میاں بیوی کے درمیان ایسا قوی اور مضبوط تعلق پیدا کر دیا ہے کہ اس سے زیادہ گہرا دنیا میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ بغیر شدید تعلق کے حقوق زوجیت کا آسانی سے ادا ہونا دشوار تھا (اس لیے اللہ تعالیٰ نے حقوق کی ادائیگی کی آسانی کے لئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے، جس کی وجہ سے گویا دونوں متحد (ایک) ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دو قالب (جسم) ایک جان ہیں۔

اب بتائیے کہ قرب کا اس سے بہتر کوئی تصور دوسرا پیش کر سکتا ہے۔ لہٰذا زوجین کے متعلق جو حقوق رکھے ہیں ان کی آسانی اس طرح کر دی گئی ہے کہ طرفین میں (دونوں طرف) قوی تعلق رکھ دیا جس سے حقوق کی ادائیگی آسان ہوگئی۔

میاں بیوی کے باہمی تعلق کے مصالح ومنافع

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں، نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواری اور باہمی اُلفت واعتماد پر موقوف ہے۔

پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہوسکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض ووظائف ادا کرسکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مقاصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہوسکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت ویگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

مودّت ورحمت ازدواجی تعلق کی روح ہے

ازدواجی تعلق کی اصل روح ہے، اگر کسی ازدواجی تعلق میں یہ روح نہیں ہے تو گویا وہ ایک بے جان لاش ہے۔

اسلام میں ازدوجی تعلقات کے لیے جو قوانین مقرر کیے گئے ہیں

ان سب میں اس مقصد کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، زوجین اگر ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، تو صلح وآشتی، محبت اور یک جہتی کے ساتھ رہیں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں، اور آپس کے تعلقات میں فیاضانہ برتاؤ رکھیں، لیکن وہ اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر ان کی یک جائی سے جدائی بہتر ہے، کیونکہ مودّت ورحمت کی روح نکل جانے کے بعد ازدواجی تعلق ایک مردہ جسم ہے جس کو اگر دفن نہ کر دیا جائے تو عفونت پیدا ہوگی اور اس سے خانگی زندگی کی ساری فضا زہر آلود ہو جائے گی۔

اسی لیے قرآن مجید کہتا ہے:

وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ (النساء : ۱۲۹، ۱۳۰)

"اگر آپس میں موافقت سے رہو اور ایک دوسرے سے زیادتی کرنے سے بچو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر (یہ نہ ہو سکے) اور زوجین ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے وسیع خزانہ غیب سے ہر ایک کی کفالت کرے گا۔"

پھر جگہ جگہ احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تاکید کی گئی ہے کہ:

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ

(بقرہ : ۲۲۹)

''یا تو بھلے طریقہ سے ان کو اپنے پاس رکھا جائے
یا احسان (خوش اسلوبی) کے ساتھ رخصت
کر دیا جائے۔''

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ (الطلاق : ۲)

''یا تو بھلے طریقے سے ان کو اپنے رکھو یا بھلے طریقے
سے ان سے جدا ہو جاؤ۔''

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء: ۱۹)

''اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح رہو۔''

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرہ : ۲۳۱)

''یا تو بھلے مانسوں کی طرح ان کو رکھو یا بھلے مانسوں کی
طرح رخصت کر دو، محض ستانے کے لیے ان کو نہ
روک رکھو کہ ان کی حق تلفی کرنے لگو اور جو ایسا کرے گا
وہ اپنے نفس پر خود ظلم کرے گا (یعنی اپنے آپ کو خدا
کے عذاب کا مستحق بنائے گا)۔''

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ (البقرہ : ۲۳۷)

"اورآپس کے تعلقات میں فضل کو نہ بھولو (یعنی فیاضی کا برتاؤ کرو)۔"

یہ تھی مختصر سی گفتگو خاندانی نظام میں نکاح کی اہمیت اور میاں بیوی کے آپس کے تعلق کے حوالے سے، اللہ تعالیٰ ان مقاصد کے حصول میں ہماری مدد فرمائے۔ (آمین)

میاں بیوی کے باہمی حقوق وذمہ داریاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں، ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مسرت وراحت کا باعث ہو، اور آپس میں دل جڑے رہیں، اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے، بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔

اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر وتحمل و دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش

کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

دنیا کی سب سے بہترین چیز نیک بیوی ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ الْمَتَاعِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ

یعنی یہ ساری دنیا متاع ہے، نفع اٹھانے کی چیز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفع اٹھانے کے لئے بنائی ہے، تاکہ انسان اس سے جائز طریقے سے نفع اندوز ہو اور دنیا کے اندر سب سے بہتر نفع اٹھانے کی چیز "نیک خاتون" ہے نیک خاتون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔

دنیا کی جنت

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرمایا کرتے تھے، کہ دنیا کی جنت یہ ہے کہ زوجین ایک ہوں، اور نیک ہوں، یعنی اگر دونوں باتیں جمع ہو جائیں کہ دونوں کے درمیان اتحاد اور محبت بھی ہو اور دونوں نیک بھی ہوں، تو یہ دنیا کی جنت ہے، اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہو جائے، تو دنیا میں جہنم ہے، اس لئے کہ اس صورت میں دنیا بے کیف اور بے مزہ ہو جاتی ہے اور اس میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

نیک بختی کی تین علامت

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اگر تین چیزیں انسان کو دنیا میں حاصل ہو جائیں، تو یہ اس کی سعادت کا حصہ ہے، اس کی نیک بختی کی علامت ہے۔

(۱) ایک کشادہ گھر (۲) نیک بیوی (۳) خوشگوار سواری

ایک دوسری روایت میں اچھے پڑوسی کا بھی ذکر ہے

اگر تین چیزیں خراب ہو جائیں، تو پھر یہ شوم ہیں، یعنی پوری زندگی کے لئے نحوست اور وبال ہے۔

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا، کہ شوہر کو بیوی کا انتخاب کرتے ہوئے اور بیوی کو شوہر کا انتخاب کرتے ہوئے، یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے، کہ اس میں خدا کا خوف کتنا ہے اور دین پر چلنے کا جذبہ کتنا؟ کیونکہ اس کے بغیر نکاح کے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

خواتین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اس دنیا کو جو آسمانی ہدایات سے بے خبر تھی، خواتین کے حقوق کا احساس دلایا، کہ خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرو، علامہ نوویؒ نے سب سے پہلے قرآن کریم کی ایک آیت نقل فرمائی، جو اس باب میں جامع ترین آیت ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ(سورة النساء : ۱۹)

اس میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے، کہ تم خواتین کے ساتھ ''معروف'' یعنی نیکی کے ساتھ، اچھا سلوک کر کے زندگی گزارو، ان کے ساتھ اچھی معاشرت برتو، ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

فائدہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کی طرف سے شوہروں سے سفارش فرمائی ہے کہ تم ان بیویوں کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی گزارو ہمارے لئے بھی اور بیویوں کے لئے بھی دونوں کیلئے یہ بڑا اعزاز ہے، بیویوں پر یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے مردوں سے سفارش کردی کہ اے شوہرو! تمہارے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ تمہاری بیویوں کیلئے تمہارا پروردگار سفارش کر رہا ہے، آج تم اس سفارش کا خیال رکھو گے تو کل قیامت کے دن وہ تمہارا خیال رکھے گا اور تمہاری بخشش کردے گا۔

افسوس ہے کہ انسان کو اگر ملک کا وزیراعظم خط لکھ دے کہ اپنی بیوی کیساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا کیونکہ تمہاری بیوی میری بیٹی کے ساتھ پڑھی ہوئی ہے، تو بتایئے کہ آپ اس کو ستا سکتے ہیں؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے زمانے کے مجدد تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ''جو اپنی بیوی کو ستائے، ان سے اچھے اخلاق سے پیش نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کی سفارش کو رد کردے، یہ بے غیرت مرد ہے۔

میاں بیوی میں دوستی کا تعلق ہے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین) کہ مردوں کو یہ آیت تو یاد رہتی ہے کہ (الرجال قوامون علی النساء) یعنی مرد عورتوں پر حکمران اور حاکم ہیں، اب بیٹھ کر عورتوں پر حکم چلا رہے ہیں، اور ذہن میں یہ بات ہے کہ عورت کو ہر حال میں تابع اور فرمانبردار ہونا چاہیے اور ہمارا ان کے ساتھ آقا اور نوکر جیسا رشتہ ہے، معاذ اللہ، لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت نازل فرمائی ہے، وہ آیت مردوں کو یاد نہیں رہتی، وہ آیت یہ ہے کہ:

ومن آیاته أن خلق خلکم من انفسکم ازواجاً
لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة
(سورة الروم : ۲۱)

"اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں، تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے، اور تم دونوں میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔" (تاکہ تم اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکو)۔"

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بیشک مرد عورت کے لئے قوام ہے، لیکن ساتھ میں دوستی کا تعلق بھی ہے، انتظامی طور پر تو قوام ہے، لیکن

باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، لہٰذا ایسا تعلق نہیں ہے، جیسا کہ آقا اور کنیز کے درمیان ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے دو دوست کہیں سفر پر جا رہے ہوں اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنالیا ہو لہٰذا شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے، کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے، جیسے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ اس دوستی کے تعلق کے آداب اور کچھ تقاضے ہیں، ان آداب اور تقاضوں میں نازکی باتیں ہوتی ہیں، جن کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

ایسا رعب مطلوب نہیں

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بعض مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حاکم ہیں، لہٰذا ہمارا اتنا رعب ہونا چاہئے کہ ہمارا نام سن کر بیوی کانپنے لگے اور بے تکلفی کے ساتھ بات نہ کر سکے، میرے ایک ہم سبق دوست تھے، انہوں نے ایک مرتبہ بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے یہ بات کہی کہ جب میں کئی مہینوں کے بعد گھر جاتا ہوں تو میرے بیوی بچوں کو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس آجائیں اور مجھ سے بات کریں، بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ رہے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ جب گھر جاتے ہیں تو کیا کوئی درندہ یا شیر چیتا بن جاتے ہیں؟ جس کی وجہ سے بیوی بچے آپ کے پاس آنے سے

ڈرتے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں، بلکہ اس لئے کہ ہم قوام ہیں ہمارا رعب ہونا چاہئے، اچھی طرح سمجھ لیں کہ قوام ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے، کہ بیوی بچے پاس آنے اور بات کرنے سے بھی ڈریں، بلکہ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور وہ دوستی کا تعلق کس قسم کا ہونا چاہئے؟ سنئے!

بیوی سکون کا ذریعہ ہے قرآن کریم کی گواہی

قرآن کریم نے ایک مختصر سے جملہ میں شوہر کے لئے بیوی کی پیدائش کا مقصد بیان فرمادیا اگر شادی کے بعد عورت اس مقصد پر پورا اترتی ہے تو یہ شوہر دنیا کا سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہے، ورنہ اس کی زندگی جہنم کا ایک نمونہ بن کر رہ جائے گی، چنانچہ قرآن مجید میں عورت کی پیدائش کا بنیادی مقصد یہی بتایا گیا ہے

ومن آیاته أن خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة

(سورة الروم آیت: ۲۱)

”اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے یہ بات ہیکہ اس نے تمہارے لئے تم ہی سی بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرسکو اور اس ﷻ نے تمہارے درمیان آپس میں محبت اور مہربانی بھی رکھ دی (تا کہ تم اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکو۔“

یہی وہ سکون قلب اور الفت باہمی ہے، جس کے باعث نہ صرف ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے بلکہ تمدن انسان کی گاڑی بھی رواں دواں رہتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بیوی راحت وسکون کا وہ گہوارہ ہے جہاں اس کے شوہر کو محبت کی پاکیزہ چھاؤں میں اس کی خواہشات کو تسکین ملتی ہے، دل حرام کاری سے بچتا ہے، ایک ایک عضو کو ذلت اور حقارت کی گندگی سے نجات ملتی ہے اور اس طرح پورا بدن تباہی اور ہلاکت کے گڑھے سے بچ جاتا ہے۔

نیک بیوی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی نعمت ہے، مرد کے لئے بیوی قدرت کا سب سے زیادہ قیمتی عطیہ ہے، جو انس ومحبت اور غمخواری کے لئے بھیجا گیا ہے۔

دن بھر خون پسینہ ایک کرنے کے بعد ایک تھکا ہوا شخص جب شام کو گھر لوٹتا ہے تو ایک وفا شعار، سمجھدار، خوش مزاج، شیریں زبان بیوی اپنی مسکراہٹوں سے اس کا استقبال کر کے اس کی ساری تھکاوٹ اور غموں کو دور کر دیتی ہے۔

وہ طبیعت میں فرحت ونشاط محسوس کرتا ہے، نیک بیوی اسے ایک روحانی سکون اور تازگی بخشتی ہے، نیک بیوی کے منہ سے نکلے ہوئے دو پھول کوثر وتسنیم سے دھلے ہوئے دو بول اس کے لئے گلوکوز، وٹامن ڈی اور سریکس ٹی سے زیادہ قوت وطاقت بخش ثابت ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر دلہن کو اپنے شوہر کے لئے سچی راحت وحقیقی محبت ودلی سکون کا ذریعہ بنائے، آمین!

بیوی کے حقوق کی تفصیل خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ الْجُشَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَقُوْلُ : بَعْدَ أَنْ حَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى، وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ، ثُمَّ قَالَ : " أَلاَ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَّاتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِيْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً أَلاَ إِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَحَقُّكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَ يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ وَلاَ يَأْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ، أَلاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ. (رواہ الترمذی' حسن صحیح)

"عمرو بن احوص جشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ حمد و ثنا کے بعد وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے۔ خبردار! عورتوں کے ساتھ بھلائی کا انداز اختیار کرو اس لئے

کہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں اور تم ان سے سوائے
مجامعت وغیرہ کے کسی اور چیز کے مالک نہیں ہو۔
ہاں اگر وہ ظاہراً بے حیائی کا ارتکاب کریں، اگر وہ
اس کا ارتکاب کریں تو ان کو بستروں کے لحاظ سے
الگ کردو اور انہیں ایسا نہ مارو کہ جو ہڈی کو ظاہر
کردے۔ اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے
لئے کوئی نیا طریقہ تلاش نہ کرو۔ خبردار! تم کو تمہاری
عورتوں پر حقوق ہیں اور تمہاری عورتوں کے تم پر
حقوق ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے
بستروں پر ایسے انسان کو پاؤں نہ رکھنے دیں جن کو تم
برا جانتے ہو، اور وہ تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں
کو آنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم برا جانتے ہو اور
بیویوں کے بھی تم پر حق ہیں کہ تم لباس اور خوراک
میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اختیار کرو۔"

فائدہ

حدیث بالا میں ایک حکیمانہ نصیحت یہ کی گئی ہے کہ سب سے
پہلے ان کو وعظ و نصیحت کرو اگر وہ اس سے بھی باز نہ آئے تو دوسرے
نمبر پر اب:

فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ.

پر عمل کیا جائے کہ ان کے ساتھ رات کو سونا چھوڑ دو اگر اس پر

بھی باز نہ آئے تو اب تیسرے نمبر پر

وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ

کہ ان کو مارو مگر ایسا نہ مارو جو ہڈی کے جوڑ کو ظاہر کر دے (اس میں بھی اعتدال سے کام لو۔)

اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت باتیں ارشاد فرمائیں خاص کر مردوں کو عورتوں کے حقوق پہچاننے اور ان کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اب آپ ان حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں، یہ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع میں ایسے موقع پر ارشاد فرما رہے ہیں، جبکہ یہ خیال بھی ہے آئندہ اس طرح سب لوگوں کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے، جن چیزوں کو بیان کرنے کیلئے منتخب فرمایا، اور جن باتوں کی اہمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائی اسلئے امت کو ہر حال میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى الله عليه وآله وسلم) مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ ؟ قَالَ : أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا

اِكْتَسَيْتَ وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلاَ تُقَبِّحْ، وَلاَ تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ. (حديث حسن رواه ابوداود) وقال : معنى "لاتقبح" أي : لاَ تَقُلْ قَبَّحَكِ اللّٰهُ.

''حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بیوی کا حق خاوند پر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلائے جب تو لباس پہنے تو اس کو بھی پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارو اور اسے قبیح باتیں نہ کہو (یعنی اسے بددعا کے الفاظ نہ کہو) اور اس کے ساتھ قطع تعلق نہ کرو مگر گھر کے اندر (یہ حدیث حسن ہے)۔''

لاتقبح: کا معنی یہ ہے کہ تم اسے نہ کہو کہ اللہ پاک تجھے قبیح بنادے۔

فائدہ

حَقُّ زَوْجِه : خاوند کا حق یہ ہے کہ جو استطاعت و طاقت ہے اس کے مطابق اچھا لباس اور اچھی خوراک اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرے۔

وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ: چہرے پر مت مارو۔

نافرمان بیوی کو راہ راست پر لانے کے لئے اس کو شریعت نے بطور

تنبیہ کے مارنے کی اجازت دی ہے اس میں اعتدال کا حکم دیا ہے اور چہرے پر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ چہرہ اشرف اعضاء میں سے ہے۔

بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت و مدارات کی تاکید

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فی حدیث طویل فی قصة حجة الوداع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبته یوم عرفة) فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی دی) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امان کیساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی

ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا
اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس
کو آکر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی
غلطی کریں تو ان کو (تنبیہ و تادیب کے طور پر) تم
سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو، اور تمہارے
ذمہ مناسب طریقے پر ان کے کھانے کپڑے (وغیرہ
ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔"

فائدہ

اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے بااختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پرواہ ہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں، وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں، اور یاد رکھیں کہ ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان خدا ہے، اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں، اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیردست بنائی گئی ہیں، یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے، اگر شوہر ان کیساتھ ظلم و زیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں

گے'' أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ '' کا یہی مطلب ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اس کی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عورتوں کیلئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انہیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں، '' وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُم '' کا یہی مطلب ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو ان کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کیلئے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں، لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو، ''غیر مبرح '' کا یہی مطلب ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہروں پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے کھانے کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے

کے دستور کے مطابق پوری کریں، اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں۔ "بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا (رواہ البخاری، ومسلم)

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی) میں تم کو وصیت کرتا ہو کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو، ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی

پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش
کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اسے یونہی
اپنے حال پر چھوڑ دوگے (اور درست کرنے کی کوئی
کوشش نہ کروگے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی
رہے گی، اسلئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے
کی میری وصیت قبول کرو۔''

فائدہ

اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے:

اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ۔

''ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے۔''

یہ واقعہ کا بیان بھی ہوسکتا ہے اور اس کو محاورتی تمثیل بھی کہا جاسکتا ہے، بہرصورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے، جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے، آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے، جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور وقوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائیگی، اور اگر یونہی

چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آجائے، اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کریگا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتہ ازدواج کا خاص مقصد ہے، اس لئے مردوں کو چاہیے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کیساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں، اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی۔ (از معارف الحدیث ج۶)

شوہر اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله تعالىٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (رواه مسلم)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہیے) اگر اس کی

کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت
پسندیدہ بھی ہوگی۔''

فائدہ

مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات واطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت سمجھے، یہ مومن شوہر کی صفتِ ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے، محض اسکی ایک کوتاہی کی بناء پر ہمیشہ کیلئے نفرت دل میں نہ بیٹھالی جائے، اسی صورت حال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

(سورة النساء: ١٩)

''اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقے سے گزران کرو اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔''

بدزبان بیوی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک

عَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قُلْتُ
يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ فِي لِسَانِهَا شَيْئًا
يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ فَطَلِّقْهَا إِذًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ
اللّٰهِ إِنَّ لَهَا صُحْبَةً وَلِي مِنْهَا وَلَدٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ
عِظْهَا فَإِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَفْعَلُ وَلَا تَضْرِبْ
ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ (ابو داؤد)

''حضرت لقیط بن صبرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری بیوی بدزبان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے طلاق دے دو، میں نے کہا اس سے میرے بچے ہیں، مدت سے ہم دونوں کے ساتھ رہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے نصیحت کرو، اگر اس کے اندر خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی تو وہ تمہاری بات مان لے گی، اور خبردار اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارنا جیسے تو اپنی لونڈی کو مارتا ہے۔''

فائدہ

اس حدیث کے آخری ٹکڑے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لونڈیوں کو خوب پیٹو اور بیویوں کو نہ پیٹو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح لوگ

اپنی باندیوں کیساتھ پیش آتے ہیں، اس طرح کا معاملہ بیوی کے ساتھ نہ ہونا چاہیے۔

بیوی کو مارنا خوبی اور پسندیدہ نہیں

عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللّٰهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِي ضَرْبِهِنَّ فَأَطَافَ بِآلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ (ابوداؤد)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ کی باندیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو مت مارو، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کی وجہ سے شوہروں نے مارنا چھوڑ دیا، تو عورتیں اپنے شوہروں کے سر چڑھ گئیں اور دلیر

ہو گئیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں آئیں اور انہوں نے اپنے شوہروں کی مار پیٹ کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی شکایت لے کر آئی ہیں، تم میں سے ایسے لوگ بہتر نہیں ہیں۔“

بیوی کا نفقہ صدقہ ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ (متفق عليه)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے گھر والوں پر آخرت میں اجر پانے کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ بنتا ہے۔“

بیویوں کے درمیان عدل کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالىٰ عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ

امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وَشِقُّهُ سَاقِطٌ. (ترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی کے پاس دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے حقوق میں انصاف اور برابری نہ رکھی ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گر گیا ہوگا۔''

فائدہ

وہ آدھے دھڑ کیساتھ اس لیے آئے گا کہ جس بیوی کے حقوق اس نے ادا نہیں کیے، وہ اسی کے جسم ہی کا حصہ تو تھی، اپنے جسم کے آدھے حصے کو دنیا میں کاٹ کر پھینک آیا تھا، پھر قیامت کے دن اس کے پاس پورا جسم کہاں سے ہوگا۔

بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ (رواہ الترمذی)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں
میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ
(سب کیساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی
کیساتھ جس کا رویہ لطف ومحبت کا ہو''

فائدہ

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی میں ایک بہترین خاوند کی صفت اور اسکے کامل مومن ہونے کی نشانی بیان فرمائی ہے کہ تمہارے بہترین ہونے کا معیار ''تمہارا بیوی سے سلوک'' قرار پائے گا۔

اگر تمہارے رویّے سے عمل سے تمہاری بیوی کو تکلیف ہے، اور تمہارے رویّے سے تمہاری بیوی کی زندگی اجیرن بن گئی ہے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ تم میں کوئی اچھائی نہیں ہے کوئی خوبی نہیں ہے کوئی بہتری نہیں ہے، خدا اور رسول , کے ہاں تمہاری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، ہاں اگر تمہارا وجود تمہاری بیوی کے لیے راحت ہے اس کی زندگی تمہارے طرزِ عمل سے خوشگوار گزر رہی ہے تو پھر جان لو کہ تم بہترین آدمی ہو اور تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پسندیدہ قرار دیا جائیگا اور تمہارا ایمان بھی کامل ہے۔

تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ''أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ. (الترمذی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: ''تمام ایمانداروں سے اکمل ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور بہترین انسان تم میں سے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کیساتھ اچھے ہیں۔''

فائدہ

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا:

کہ بہترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں کیونکہ جب آدمی کامل ایمان والا ہوتا ہے تو وہ دوسرے کے ساتھ اچھے اخلاق واحسان کے ساتھ بھی پیش آتا ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ایمان کامل والے تھے تو اخلاق کامل والے بھی تھے اس کی شہادت حق تعالیٰ شانہ نے خود دی:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ.

''اور بے شک آپ عظیم اخلاق والے ہیں۔''

خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِهِمْ.

''بہترین تم میں سے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں''۔

اس کی وجہ محدثین یہ فرماتے ہیں کہ عورتیں کمزور اور ضعیف ہوتی ہیں، وہ آدمی کی شفقت اور احسان کی زیادہ مستحق ہوتی ہیں اس لئے آدمی خصوصیت کے ساتھ گھر والوں کے ساتھ شفقت اور احسان کا معاملہ کرے۔

بیویوں کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معیاری اور مثالی برتاؤ

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَیْرُکُمْ لِأَهْلِی (رواہ الترمذی)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو، (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔''

فائدہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کس خوبصورتی سے امت کو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے اور کس طرح بیوی کی اہمیت خاوند کے دل میں بٹھائی ہے، فرمایا دیکھو میں اپنے بیوی بچوں کے لیے کس قدر بہترین ہوں! یعنی آپ نے بیوی سے حسن سلوک کی اہمیت بڑھانے کے لیے اپنی مثال پیش فرمائی کہ میں اپنے گھر میں بہترین خاوند کا کردار پیش کرتا ہوں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی راحت اور سکون سے گزری، کبھی کوئی شکایت نہیں ہونے دی۔ ازواج مطہرات اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی گھریلو زندگی پوری دنیا کے لیے مشعل راہ ہے، اگر آج بھی امت میں وہی روشنی آجائے۔ انہی سنتوں کو زندہ کرنے کا عمل شروع ہوجائے، تو ہر گھر راحت کدہ بن جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہونگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ

بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ
لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ
إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي. (رواه البخاری)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (یعنی نکاح
ورخصتی کے بعد آپ کے ہاں آجانے کے بعد بھی)
گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، اور میرے ساتھ کھیلنے والی
میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کیلئے میرے
پاس یہاں بھی آیا جایا کرتی تھیں) تو جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ
کے احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتیں
تو آپ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود
فرما دیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں)
چنانچہ وہ آ کے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔''

فائدہ

صحیحین کی زیرِ تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم انہیں اس کھیل اور تفریحی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں

فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں ان کی اس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ خود ان کو کھیل جاری رکھنے کے لئے فرما دیتے، ظاہر ہے کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي فَقَالَ هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ (ابو داؤد)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی، اس کے بعد جب (فربہی سے) میرا جسم بھاری ہوگیا تو (اس زمانہ میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے، اس وقت آپ نے فرمایا، یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہوگیا۔"

فائدہ

بلاشبہ بیویوں کیساتھ حسنِ معاشرت اوران کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلیٰ مثال ہے اوراس میں ان لوگوں کے لئے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں اس طرح کی تفریحات کی کوئی جگہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو خود کھیل دکھایا

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ وَاللّٰهِ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِوَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ مِنْ بَيْنِ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ.

(رواہ البخاری ومسلم)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے بیان کرتی ہیں، خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں

نیزہ بازی کا کھیل کھیل رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مجھے ان کا کھیل دکھانے کیلئے میرے لئے
اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے
پر کھڑے ہوگئے، (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ
کے کاندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل
دیکھتی رہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری وجہ سے
مسلسل کھڑے رہے، یہاں تک کہ (میرا جی بھر
گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی، (حضرت عائشہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے) اندازہ
کرو کہ ایک نوعمر اور کھیل تماشہ سے دلچسپی رکھنے والی
لڑکی کا کیا مقام تھا۔''

فائدہ

یہ واقعہ بھی بیویوں کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ معاشرت اور ان کی دلجوئی و دلداری کی انتہائی مثال ہے، اور اس میں امت کیلئے بڑا سبق ہے۔

نفقہ کے علاوہ جیب خرچ بھی بیوی کا حق ہے

بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی (مرضی کے مطابق) خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے

ہیں) اس کی تعداد اپنی اور اپنی بیوی کی حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً سو دو سو پانچ سو ہزار روپے جیسی گنجائش ہو، یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم صرف گھر کے خرچ کی ہے اور یہ تمہارا جیب خرچ ہے، یہ تمہاری ملک ہے، اس کو جہاں چاہو خرچ کرو۔

جب تم خرچ الگ دو گے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہوگا کہ یہ رقم جو گھر کے خرچ کے لیے دی ہے امانت ہے۔

کیوں کہ آدمی کے پیچھے بہت سے خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذاتِ خاص کے ساتھ ہیں، اگر بیوی کو کوئی رقم ذاتِ خاص کے خرچ کے لیے نہ دی گئی، جس کو جیب خرچ کہتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی، اس صورت میں اس پر تشدد کرنا ایک گونا ظلم اور بے حمیتی ہے۔

جیب خرچ دینے کے بعد حساب نہ لیا جائے

چونکہ دینی و دنیوی مصارف (اخراجات) کی حاجت اکثر واقع ہوتی رہتی ہے اور عورتوں کے پاس اکثر جداگانہ مال نہیں ہوتا اس لیے مردوں کو مناسب ہے کہ نفقہ واجبہ (اور مہر) کے علاوہ حسب حیثیت کچھ خرچ ایسے مواقع کے لیے علیحدہ بھی دے دیا کریں، پھر اس کا حساب نہ لیا کریں، تا کہ وہ اپنی مرضی کے موافق آزادی کے

ساتھ بے تکلف ایسے مصارف میں صرف کرسکیں۔

بیوی کی دلجوئی کرنا اور تکلیف دہ بات پر صبر کرنا بھی ان کا حق ہے

صرف نان ونفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ ان کی دلجوئی کی جائے، حدیث میں ہے:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ.

''عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں۔''

اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو اور ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جواں مردی کے خلاف ہے۔

دلجوئی کے معنی یہ ہیں کہ ایسی کوئی بات نہ کہو جس سے اس کا دل دکھے اس کو تکلیف ہو، نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں، لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید (حد بندی) نہیں ہوسکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کرو بھلا اس کی تحدید کیسے ہوسکتی ہے۔ اب کہا جاسکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں۔

دلجوئی کا طریقہ

عورتوں کا پردہ ضرور ہو مگر پردہ میں اس کی دلجوئی کے سامان

بھی مہیا ہوں یہ نہیں کہ میاں صاحب نماز کو جایں تو باہر سے تالا لگا کر جائیں۔ کسی کو اس سے ملنے نہ دیں اس کی دسراہت (بات چیت ہنسی تفریح) کا سامان نہ کریں۔ بلکہ مردوں کو لازم ہے کہ پردہ میں عورتوں کی دلچسپی کا ایسا سامان مہیا کریں کہ ان کو باہر نکلنے کی ہوس ہی نہ ہو (بشرطیکہ حدود جواز میں خلاف شرع نہ ہو سمجھنے کی بات ہے کہ اگر مردوں کو کسی وقت وحشت ہوتی ہے تو باہر جا کر ہم جنسوں (یاردوستوں) میں دل بہلا سکتے ہیں، بے چاری عورتیں پردہ میں اکیلی کس طرح دل بہلائیں۔

تم کو چاہیے یا تو خود اس کے پاس بیٹھو۔ یا تم کو فرصت نہیں ہے تو کسی اس کی ہم جنس عورت کو اس کے پاس رکھو، اگر کسی وقت کسی بات پر شکوہ شکایت بھی کرے تو معمولی بات پر برا مت مانو۔ تمہارے سوا اس کا ہے کون؟ جس سے وہ شکایت کرنے جائے، اس کی شکایت کو ناز ومحبت پر محمول کرو کیوں کہ ہماری عورتوں میں محبت کا مادہ اس قدر ہے کہ سچ مچ عشق کا مرتبہ ہے۔

رات میں بیوی کے پاس رہنا بھی اس کا حق ہے

شریعت نے جو حقوق معاشرت ہمارے ذمہ کیے ہیں، عموما ان کو مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے، مثلا بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد

بیوی سے بالکل لاپرواہ رہتا ہے، سال سال تک بھی باہر بیٹھک میں سوتے ہیں گھر میں نہیں سوتے۔ اب یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر سوتے رہتے ہیں اور بیوی کے حق سے غافل ہیں۔ حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اس کا حق ہے۔

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ بات بات میں عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے بات چیت ترک کر دی جاتی ہے، یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے مگر وہ خطا اس درجہ کی نہیں ہوتی۔

بیوی سے باتیں کرنا اور اس کو خوش رکھنا بھی اس کا حق ہے

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مرید ہیں نماز، روزہ، ذکر و شغل کے پابند ہیں اپنے نزدیک گویا جنت خرید رہے ہیں مگر بیوی کے حقوق سے غافل ہیں، یاد رکھو! بیوی کا یہ حق ہے کہ ایک وقت میں اس سے بات چیت بھی کی جائے اور اس کی تکلیف و راحت کی باتیں سنی جائیں۔ دلجوئی کی باتوں سے اس کو خوش کیا جائے۔ مگر اس حق سے دین دار و دنیا دار سب ہی غافل ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان حقوق کو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں، بس کھانا کپڑا ہی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے۔

اپنے ہاتھ سے بیوی کو کھلانے میں بھی ثواب ملتا ہے بیوی کا

جی خوش کرنے کی خاطر کوئی سامان خریدنے میں بھی ثواب ملتا ہے۔

اگر بیوی کا جی خوش کرنے کے لیے بلا ضرورت بھی کوئی چیز خرید لو تو وہ بھی اسراف نہیں کیونکہ تطیب قلب زوجہ (بیوی کا جی خوش کرنا) بھی مطلوب ہے، بشرطیکہ اس میں طاقت سے زیادہ قرض نہ ہو۔

بیوی کو کچھ کھلا دینا بھی خیرات ہی ہے (یعنی اس میں بھی اللہ تعالیٰ ثواب دیتے ہیں۔

میاں بیوی میں ہنسی مذاق حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہنسی کے طور پر عورتوں کی مذمت میں ایک شعر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پڑھا:

ان النساء الشیاطین خلقن لنا نعوذ باللہ
من شر الشیاطین.

''بے شک عورتیں ہمارے لیے شیطان پیدا کی گئی ہیں، ہم خدا کی شیاطین کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا:

اِنَّ النِّسَاء ریاحین خُلقْنَ لکم و کلکم
یشتمی شَمَّ الرِّیاحین.

''بلاشبہ عورتیں پھول ہیں جو تمہارے لیے پیدا کی

گئی ہیں اور تم میں سے ہر شخص پھولوں کی جانب
مائل ہوتا ہے۔''

خاوند کو نرم خو ہونا چاہیے (خلاصہ کلام)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
اِنَّ اَكْمَلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا
وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ. (مشکوٰۃ)
''سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں
اچھا ہو اور اپنے بال بچوں کے لیے نرم خو ہو۔''

فائدہ

سنا آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کس انداز سے خاوند کو اپنا فرض یاد دلایا ہے کہ دیکھو گھر میں چڑچڑا پن اور تند خو اور بد مزاج ہونا قطعاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پسند نہیں ہے، تم اگر سب سے اچھا انسان بننا چاہتے ہو تو سب سے اچھا خاوند بنو۔

سبحان اللہ............سب سے اچھا خاوند وہ ہوگا کہ غصہ کو پی جائے۔ خلاف طبیعت کوئی کام بیوی سے ہو جائے تو اس کی ڈنڈے سے مرمت کرنے نہ بیٹھ جائے، بلکہ نرم خو اور نرم رویے سے بیوی کو سمجھائے بجھائے، اس سے گھر کے ماحول میں محبت آئے گی، آشتی

آئے گی، ایک دوسرے کا احترام آئے گا، اعتماد پیدا ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ ہوگا، زندگی نہایت خوشگوار گزرے گی جو مستقبل کے لیے روشنی اور بہتری کی ضامن ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ بنایئے

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پوری زندگی اس کی گواہ ہے کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے اس قدر اچھا سلوک فرمایا کہ یہ حسن سلوک پوری امت کے لیے نمونہ بن گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہترین ہو اور اس کے حقوق کی پوری پوری نگہداشت اور حفاظت کرنے کے ساتھ حقوق کی ادائیگی کا بھی پورا پورا خیال رکھتا ہو۔ الغرض اگر میاں بیوی، اپنے اپنے حقوق کو سمجھ کر پوری ایمانداری کے ساتھ انجام دیں تو آج جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اور بات طلاق تک پہنچ جاتی ہے یہ تمام باتیں ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بیوی کے حقوق اور فرائض ادا کرنے والا بنادے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

شوہر کے حقوق

یعنی

بیوی کی ذمہ داریاں

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرۃ مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ رشید

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز

مرشد الموحدین قطب الاقطاب حضرۃ مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتزئین

عاصم عبداللہ

کرمی دار الکتب کراچی

جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی 2 کراچی 75230

0333-2124384

بیوی کیلئے جنت کی خوشخبری

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیه وسلم اَلْمَرْاَۃُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ

(رواہ ابو نعیم فی الحلیة)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار ہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امّابعد!

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَالصّٰلِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ.

(سورۃ النساء: ۳۴)

”نیک عورتیں وہ ہیں (جو مرد کی حاکمیت کو تسلیم کرکے) انکی اطاعت کرتی ہیں اور مردوں کے پیٹھ پیچھے بھی اپنے نفس اور انکے مال کی حفاظت کرتی ہیں (یہ نہیں کہ مردوں کے سامنے تو اس کا اہتمام کریں اور انکی نظروں سے غائب ہوں تو اس میں لاپرواہی برتیں)۔“

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ زَوْجُهَا وَ أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ أُمُّهُ (المستدرک للصحیحین)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر سب سے بڑا حق اسکے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اسکی ماں کا ہے۔“

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم۔

آج کی نشست میں شوہر کے حقوق یعنی بیوی کی ذمہ داریوں سے متعلق کچھ گفتگو ہوگی، گذشتہ نشست میں بیوی کے حقوق یعنی شوہر کی ذمہ داریوں کے حوالے سے بڑی تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، چنانچہ جس طرح شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق عائد کئے گئے ہیں اسی طرح اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت یعنی بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق بھی تفصیلاً بیان فرمائے ہیں، اور دونوں کو حقوق کی ادائیگی پر بڑی تاکید کی گئی ہے۔

خاندانی زندگی کا آغاز

دین اسلام نے نکاح کو بہت اہمیت دی ہے اور اسے نصف ایمان قرار دیا ہے، اور عبادت کی حیثیت دی ہے یہ بات اسلام کے

علاوہ کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی۔

خاندانی زندگی کا آغاز شوہر اور بیوی کے پاکیزہ ازدواجی تعلق سے ہوتا ہے اس تعلق کی خوشگواری اور استواری کو بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب شوہر اور بیوی دونوں ازدواجی زندگی کے آداب وفرائض کو سمجھیں اور اس سے واقف ہوں۔

شادی کا بنیادی مقصد زندگی کا سکون ہے اور اپنے آپکو گناہوں والی زندگی سے محفوظ رکھنا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کو بہت اہمیت حاصل ہے، اور اس میں خوشگواری اور باہمی الفت جانبین کے اعتماد پر موقوف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے باہمی حقوق وذمہ داریوں کو بتلایا اور تفصیل سے اسکے متعلق ہدایات دیں اور یہ ہدایات اسی لئے دیں کہ دونوں میں خوشگوار تعلقات قائم ہوں، اور انہیں راحت اور خوشیاں ملیں اور مقاصد نکاح بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

میاں بیوی کو ہدایات

شوہر کو بتلایا کہ وہ اپنی بیوی کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت اور اسکی عطا سمجھے اور اسکی قدر کرے اس سے محبت کرے غلطی ہونے پر چشم پوشی سے کام لے صبر وتحمل سے اسکی اصلاح کرے، اپنی حد تک اسکی

ضروریات کا خیال رکھے اور برابر اس کی دل جوئی کی کوشش کرے۔

اور بیوی کو ہدایت دی کہ وہ اپنے شوہر کو مجازی خدا سمجھے اور سب سے بالاتر سمجھے اسکی وفا دار اور فرمانبردار رہے اسکی ضروریات کا خیال رکھے اپنی دنیا و آخرت کی بھلائی و کامیابی اسکی خوشی و رضامندی سے وابستہ سمجھے اسکے حقوق کا خیال رکھے۔

میاں بیوی رفیق بنیں، فریق نہیں

دنیائے انسانیت کی بقاء اور نسل انسانی کا وجود مرد و عورت کے باہمی ارتباط و تعلق سے ہے، یہ تعلق جس قدر گہرا اور محبت و الفت سے لبریز ہوگا اسی قدر اس کا نتیجہ بھی بہتر اور نفع بخش ہوگا، انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ جب اسے کسی چیز سے محبت اور انس ہوتا ہے تو اس کے دیکھنے اور اس کے پاس رہنے سے راحت اور سکون محسوس کرتا ہے اور جس چیز سے طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے اس سے اس کو گھٹن اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے، چونکہ اللہ رب العزت کو دنیا کا نظام اور نسل انسانی کا وجود قیامت تک باقی رکھنا مقصود ہے اس لئے مرد کے اندر عورت کی طرف رغبت وخواہش اور عورت کے اندر مرد کی طرف طبعی میلان ودیعت فرمادیا ہے ، چونکہ انسانی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے سخت محتاج ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی ضرورت بن جاتے

ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں اس ضرورت کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمایا ہے، اگر ہم صرف اس پر غور کریں اور اس کے مطالبات کو پورا کرنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ ہماری ازدواجی زندگی اتنی ہی خوشگوار اور اطمینان بخش ہوگی جو ہمارا مطلوب ومقصود ہے۔

میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے لباس کے مانند ہیں

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُم وَاَنتُم لِبَاسٌ لَّهُنَّ

''وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو''

یہاں اللہ رب العزت نے ایک دوسرے کی احتیاج اور ضرورت کو لباس سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا کہ جس طرح انسان کو ہر موسم میں کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے زیب وزینت اختیار کرتا ہے، اسی طرح مرد وعورت کو ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی بھی ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اس لئے چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن کر زندگی گزاریں نہ کہ ایک دوسرے سے بے نیاز ہوکر۔

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح لباس انسان کے جسم سے جدا نہیں ہوتا اور پوری زندگی اس کو لباس کی احتیاج ہوتی ہے اسی طرح ایک عورت کو اپنے شوہر

کے ساتھ اور شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھنا چاہیے اس اندازِ فکر سے ایک دوسرے کی کمی کو نظر انداز کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ محبت کی آنکھیں عیب کو چھپاتی ہیں اور چشم پوشی کرتی ہیں، جب کہ نفرت وعداوت کی آنکھیں برائیوں کو تلاش کرتی ہیں اور اس کو ظاہر کرتی ہیں، لہذا فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے زوجین کے دل میں ایک دوسرے سے محبت اور جذبہ رحمت پیدا فرمادیا ہے تا کہ ان کی زندگی خوشگوار ہو۔

قرآن کی اس آیت میں اسطرف اشارہ ہے کہ جس طرح لباس انسان کے ظاہری عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے مرد وعورت بھی ایک دوسرے کے لئے لباس کے مانند ہیں، ان میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کریں۔

اگر ایک طرف اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو تاکید کی ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں تو اسی کے ساتھ عورتوں کے لئے بھی کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں۔

ہر شخص اپنے فرائض ادا کرے

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض ادا کرے، شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کا حق

ادا ہو گیا اگر بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا، شریعت میں سارا زور اس بات پر ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگہداشت کرے، فرائض کو بجالانے کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایک عمل کا جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ دین کا سارا فلسفہ یہ ہے، یہ نہیں کہ دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا رہے اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل رہے۔

زندگی درست کرنے کا طریقہ

میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار کیا، دونوں کو ان کے فرائض بتا دیئے، شوہر کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض یہ ہیں، اور بیوی کو بتا دیا کہ کہ تمہارے فرائض یہ ہیں، ہر ایک اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کریں اور دوسرے کے حقوق کا پاس کریں، اپنے حقوق حاصل کرنے کی اتنی فکر نہ ہو جتنی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہو، اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے، تو پھر یہ زندگی استوار ہو جاتی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری زندگی کے استوار کرنے کی اتنی زیادہ فکر ہے، کہ قرآن وحدیث ان ہدایات سے بھرے ہوئے ہیں، کہ تمہارے فرائض یہ ہیں اور اگر ان فرائض اور تعلقات میں رخنہ پڑ جائے، تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں کوئی بات اتنی ناپسند نہیں، جتنے میاں بیوی کے جھگڑے ناپسند ہیں۔

بیوی پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے

عَنْ عَائِشَةَ رضی الله تعالیٰ عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْاَةِ زَوْجُهَا وَاَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ اُمُّهٗ.

(رواه الحاکم فی المستدرک)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے، اور مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔''

اگر غیر اللہ کے لئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کے لئے سجدے کا حکم ہوتا

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرٌ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا...

(رواه الترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو
کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم
دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

فائدہ

کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہوسکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کے لئے اختیار فرمایا ہے۔

حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آجانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہوجاتا ہے، اسے چاہئے کہ اُسکی فرمانبرداری اور رضاجوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے:

لَايَصْلَحُ لِبَشَرٍ اَن يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ وَلَوْصَلَحَ
لِبَشَرٍ اَن يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ
تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عَظْمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا.

(الحديث)

"کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے، کیونکہ اس پر اس کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔"

بیوی کیلئے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں، اور ظاہر ہے کہ اپنی فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ.

"مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں۔"

اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ: وہ گھر کے سربراہ و ذمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں، اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ. (نساء: ۳۴)

''نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں، اور
شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی)
حفاظت کرتی ہیں''۔

اگر عورت شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کے بجائے نافرمانی وسرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہوگی، جو دونوں کیلئے دینی ودنیوی بربادی کا باعث ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت وفرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے، اور اس کا عظیم اجر وثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

بیوی کیلئے جنت کی خوشخبری

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمَرْأَۃُ
اِذَا صَلَّتْ خَمْسَھَا وَصَامَتْ شَھْرَھَا
وَاَحْصَنَتْ فَرْجَھَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَھَا فَلْتَدْخُلْ
مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ شَاءَتْ.

(رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا: ''عورت جب پانچوں

وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے
رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی
فرمانبردار ہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے
جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔''

فائدہ

اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کیلئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسے کہ ان ارکان و فرائض کی۔

جب بھی خاوند بلائے بیوی کو لبیک کہنا چاہئے

وَعَنْ اَبِیْ عَلِیٍّ طَلَقِ بْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ
عَنْہُ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم
قَالَ اِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ لِحَاجَتِہٖ فَلْتَأْتِہٖ
وَاِنْ کَانَتْ عَلَی التَّنُّوْرِ. (رواہ الترمذی)
''حضرت ابوعلی طلق بن علی رضی اللہ عنہ روایت
کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو
اس کو آنا چاہئے اگرچہ وہ تنور پر کیوں نہ ہو۔''

فائدہ

وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ

''اگرچہ وہ تنور کے پاس ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ شوہر کے بلانے پر بیوی لبیک کہے اگرچہ بظاہر کسی چیز کے ضائع اور نقصان ہونے کا خطرہ بھی ہو نیز حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شوہر کے بلانے پر وہ فوراً آجائے۔ کیونکہ اگر وہ تنور پر روٹی پکا رہی ہے تو چند منٹ کے بعد وہ فارغ ہو جائے گی مگر شریعت نے کہا کہ روٹی لگادی ہے تو اب شوہر نے بلا لیا تو روٹی نکالنے کا انتظار بھی نہ کرے فوراً آجائے۔

فرشتوں کی لعنت کی مستحق عورت

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دعا أحدكم امرأته إلى فراشه فابت أن تجيء لعنتها الملائكة حتى تصبح

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے (اور یہ میاں بیوی کے مخصوص تعلقات سے کنایہ ہے، یعنی شوہر اپنی بیوی کو ان تعلقات کو قائم کرنے کے لئے

بلائے) اور وہ عورت نہ آئے، (یا ایسا طرز عمل
اختیار کرے، جس سے شوہر کی وہ منشاء پوری نہ ہو،
اور اس کی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے،) تو ساری
رات صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے ہیں،
کہ اس عورت پر خدا کی لعنت ہو۔"

اور لعنت کے معنی یہ ہیں، کہ اللہ کی رحمت اس کو حاصل نہیں ہوگی، اس کا منشاء درحقیقت یہ ہے کہ تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان جو تعلق ہے، وہ درست ہو جائے اور اس تعلق کی درستگی کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ شوہر کو عفت حاصل ہو، نکاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پاک دامنی حاصل ہو اور نکاح کے بعد شوہر کو کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہ رہے، اس لئے تمہارے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، کہ اس معاملے میں تمہاری طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو، اگر کوتاہی ہوگی، تو پھر فرشتوں کی طرف سے تم پر لعنت ہوتی رہے گی۔

دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا
لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَرْجِعَ (البخاری)

"اگر کوئی عورت اپنے شوہر کا بستر چھوڑ کر رات
گزارے، تو اس کو فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں،
یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔"

فائدہ

اب آپ اندازہ لگائیں کہ حدیث شریف میں ایک چھوٹی بات کہی گئی ہے، کہ اگر شوہر نے بیوی کو اس کام کے لئے دعوت دی ہے اور وہ انکار کرے، یا ایسا طرز عمل اختیار کرے، جس سے شوہر کی منشاء پورا نہ ہو سکے، تو ساری رات لعنت ہوتی رہتی ہے۔

اور اسی طرح اگر شوہر کی اجازت اور شوہر کی مرضی کے بغیر عورت گھر سے باہر چلی جائے تو جب تک وہ گھر سے باہر رہے گی، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی لعنت ہوتی رہے گی، ان تمام معاملات کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمادی، اس لئے کہ یہی چیزیں جھگڑا اور فساد کا باعث ہوتی ہیں۔

جنسی خواہش کی تکمیل پر بھی اجر و ثواب ہے

اس موضوع پر بالکل صریح حدیث موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میاں بیوی کے جو باہمی تعلقات ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ وہ تو انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تحت کرتا ہے، تو اس پر اجر کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا کہ اگر وہ ان نفسانی خواہشات کو ناجائز طریقے سے پورا کرتا تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے

عرض کیا یا رسول اللہ! گناہ ضرور ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ میاں بیوی ناجائز طریقے کو چھوڑ کر جائز طریقے سے نفسانی خواہشات کو پورا کر رہے ہیں، اس لئے اس پر ثواب ہوگا۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

حضرت تھانویؒ نے کئی جگہ اس حدیث کا ذکر فرمایا، وہ حدیث یہ ہے کہ شوہر باہر سے گھر کے اندر داخل ہوا اور اس نے محبت کی نگاہ سے بیوی کو دیکھا اور بیوی نے محبت کی نگاہ سے شوہر کو دیکھا، تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

لہٰذا یہ میاں بیوی کے تعلقات محض دنیاوی قصہ نہیں ہے، بلکہ آخرت اور جنت و جہنم بنانے کا راستہ بھی ہے۔

نفلی عبادت کے لیے شوہر کی اجازت ضروری ہے

عَنْ أَبِی سَعِیدٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ یَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ زَوْجِی صَفْوَانَ بْنَ الْمُعَطَّلِ یَضْرِبُنِی إِذَا صَلَّیْتُ وَیُفَطِّرُنِی إِذَا صُمْتُ وَلَا یُصَلِّی صَلَاةَ الْفَجْرِ حَتَّی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمَّا قَوْلُهَا یَضْرِبُنِی إِذَا

صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَوْ كَانَتْ سُورَةً وَاحِدَةً لَكَفَتِ النَّاسَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِي فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ فَتَصُومُ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَصْبِرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ لَا تَصُومُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ فَصَلِّ (ابوداؤد)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: میرے شوہر صفوان بن معطل مجھے مارتے ہیں، جب میں نماز پڑھتی ہوں اور مجھے روزہ توڑنے کے لیے کہتے ہیں جب میں روزہ رکھتی ہوں اور وہ خود فجر کی نماز نہیں پڑھتے جب تک کہ سورج نکل نہیں آتا۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں بیٹھے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کی بیوی کی شکایت کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے پر مارنے
کی شکایت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو دو سورتیں پڑھتی ہے
اور میں اسے منع کرتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ ایک ہی سورت کافی ہے۔ صفوان ؓ نے پھر کہا کہ روزہ
توڑنے کی شکایت کی حقیقت یہ ہے کہ روزے رکھے چلی
جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں، صبر نہیں کرسکتا، آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنے شوہر کی
اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے، اس کے بعد
انہوں نے کہا: سورج نکلنے کے بعد نماز پڑھنے کا معاملہ یہ
ہے کہ ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کے لیے
یہ بات مشہور و معروف ہے کہ ہم جاگ نہیں سکتے جب
تک سورج نہ نکل آئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: اے صفوان! جب تم جاگو تو نماز پڑھ لیا کرو۔

فائدہ

اس حدیث سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں

۱۔ شوہروں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو فرض نماز پڑھنے سے روکیں، البتہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوہر کی ضروریات کا خیال رکھے اور دین کے شوق میں لمبی لمبی سورتیں نہ پڑھے، رہی نفل نماز تو اس میں شوہر کی ضروریات کا خیال رکھنا

ضروری ہے، بغیر اس کی اجازت کے نفل نمازوں میں نہ لگے، اسی طرح نفلی روزہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ رکھے۔

۲۔ صفوان بن معطلؓ کا حال یہ تھا کہ وہ رات کو لوگوں کے کھیتوں میں پانی دیتے تھے، ظاہر ہے کہ جب رات کا بیش تر حصہ اس طرح کی محنت مزدوری میں لگ جائے تو آدمی ٹھیک وقت سے فجر کے لیے نہیں جاگ سکتا ، صفوانؓ اونچے درجے کے صحابی ہیں، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فجر کی نماز کے بارے میں لاپروائی برتتے رہے، بلکہ ایسا اتفاق سے ہو جاتا ہوگا کہ رات کو دیر میں سوئے اور کسی نے جگایا نہیں اور فجر کی نماز قضاء ہوگئی، یہی حالت تھی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صفوان جب تم نیند سے اٹھو تو نماز پڑھ لیا کرو، ورنہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ نماز سے بے پروائی اور غفلت برتنے والے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ضرور ناراض ہوتے۔

بیوی شوہر کی اجازت سے نفلی روزے رکھے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنَ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے

ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لیے حلال نہیں ہے، کہ وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں روزے رکھے، مگر شوہر کی اجازت سے، (یعنی کسی عورت کے لئے نفلی روزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر حلال نہیں)''

فائدہ

نفلی روزے کے کتنے فضائل احادیث میں مذکور ہیں، لیکن عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی، اس لئے کہ ہوسکتا ہے، کہ دن کے وقت روزہ سے ہونے کی وجہ سے شوہر کو تکلیف ہو، اس لئے پہلے شوہر سے اجازت لے لے۔

البتہ شوہر کو چاہیے کہ وہ بلاوجہ بیوی کو نفلی روزے سے منع نہ کرے، بلکہ روزے کی اجازت دیدے، بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان اس بات پر جھگڑا ہوجاتا ہے، کہ بیوی کہتی ہے کہ میں روزہ رکھنا چاہتی ہوں اور شوہر کہتا ہے کہ میں اجازت نہیں دیتا، اس لئے مرد کو چاہیے کہ وہ بلاوجہ اس فضیلت کو حاصل کرنے سے بیوی کو منع نہ کرے، لیکن عورت کے لئے بلا اجازت روزہ رکھنا جائز نہیں، اگر شوہر اجازت نہیں دیتا، تو عورت وہ نفلی روزہ چھوڑ دے، اس لیے کہ شوہر کی اطاعت زیادہ مقدم ہے۔

شوہر کی اطاعت نفلی عبادت پر مقدم ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

شوہر کی اطاعت کو تمام نفلی عبادتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے، لہٰذا جو ثواب اس عورت کو روزہ رکھ کر ملتا، اب شوہر کی اطاعت کرنے میں اس سے زیادہ ثواب ملے گا اور وہ عورت یہ نہ سمجھے کہ میں روزے سے محروم ہوگئی، اس لیے کہ وہ یہ سوچے کہ روزہ کس لئے رکھ رہی تھی؟ روزہ تو اس لئے رکھ رہی تھی، کہ ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا، جب تک تیرا شوہر تجھ سے راضی نہیں ہوگا، اس لئے جو ثواب تمہیں روزہ رکھ کر ملتا، وہی روزے کا ثواب کھانے پینے کے بعد بھی ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قضا روزوں میں بھی شوہر کی رعایت ضروری ہے

ترمذی شریف میں حدیث ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان کے مہینے میں طبعی مجبوری کی وجہ سے جو روزے مجھ سے قضا ہو جاتے تھے، میں عام طور پر ان روزوں کو آنے والے شعبان کے مہینے میں رکھا کرتی تھی، یعنی تقریباً گیارہ ماہ بعد، یہ میں اس لئے کرتی تھی، کہ شعبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، لہٰذا اگر اس زمانے میں بھی روزے سے ہوں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزے سے ہونگے، تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے، بنسبت اس کے کہ میں روزہ سے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ نہ ہو، حالانکہ وہ نفلی روزے نہیں تھے، بلکہ رمضان کے قضا روزے تھے، اور قضا روزوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کو جتنا جلدی

ہو سکے، ادا کر لینے چاہئیں، لیکن حضرت عائشہؓ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے خیال سے شعبان تک مؤخر فرماتی تھیں۔

نیک بیوی کی چار نشانیاں

(۱) پہلی نشانی یہ ہے کہ:

ان امرها اطاعته.

"جب خاوند اس کو کسی بات کا حکم کرے تو وہ اسکے حکم کو مانے۔"

ماں باپ کو اپنی بچیوں کی تربیت کرنی چاہیے اور سمجھانا چاہیے کہ خاوند کے پاس جانا ہے اس کے پاس جا کر ضد نہ کرنا اپنی بات منوانے کے بجائے اس کی مان کر زندگی گزارنا اس میں برکت ہے یہ بات ضرور سمجھانی چاہیے کیونکہ میاں بیوی کے ناز و انداز کا ایک تعلق ہوتا ہے اور لڑکیاں اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کرنے لگ جاتی ہیں۔

(۲) دوسری نشانی یہ کہ

وان نظر اليها سرته.

"جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کا دل خوش کر دے۔"

کیا مطلب....؟ مطلب یہ ہے کہ وہ گھر میں صاف کپڑے پہنے ایسا نہ ہو کہ جب گھر سے نکلے تو فیشن والے کپڑے پہنے اور گھر میں بھنگن بنی پھرے یہ بھی نہ ہو کہ گھر میں گندی سی بنی رہے اور اس کے بدن سے بُو

آ رہی ہو اور باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نکلے شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا ایک تو صاف ستھری بن کر رہے اور دوسرا اسکے چہرے پر خاوند کے لئے مسکراہٹ ہو یہ نہ ہو کہ ہر وقت منہ بنا کر رکھے۔

(۳) تیسری نشانی یہ ہے کہ

وان اقسم علیها ابرئته.

''اگر خاوند کسی بات پر قسم کھالے تو اسے پوری کرے۔''

عورت ایسا ہی کرے کہ خاوند کی قسم پوری کرے، تا کہ اسے خفت اٹھانی نہ پڑے۔

(۴) چوتھی نشانی یہ ہے کہ

وان غاب عنها نصحته فی نفسها وماله.

''اور جب خاوند غائب ہو (تو اسکے پیٹھ پیچھے) اپنی عصمت اور اس کے مال کی حفاظت کرے (خاوند کے پیچھے اور سامنے کا حال بالکل برابر رکھے)۔''

شوہر کی محبت اور اس کی رفاقت کی قدر کرنا چاہیے

شوہر یہ زندگی کی زینت کا سہارا اور راہ حیات کا عظیم معین و مددگار ہے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کی دل و جان سے قدر کرنا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

"نکاح سے بہتر کوئی چیز دو محبت کرنے والوں کے لئے
نہیں پائی گئی۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو انتہائی حسرت کے ساتھ بولیں کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے میں بیمار ہوتی:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں نے اس اظہار محبت پر تعجب سے ان کی طرف دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دکھاوا نہیں ہے بلکہ صفیہ سچ کہہ رہی ہے۔"

شوہر کی اطاعت پر ملنے والا ثواب

حضرت اسماء بنت یزید انصاری صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میں عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے، اس لئے ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہیں پردوں میں بند رہتی ہیں اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں، ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود

مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں، جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، اوران سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں ان کے لئے کپڑا بنتی ہیں ان کی اولاد کو پالتی ہیں، کیا ہم ثواب میں ان کے شریک نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سنی؟

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کرسکتی ہے اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ:

''غور سے سن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے ان کو بتادے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے، اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہوگئیں۔'' (ماخوذ از اسد الغابہ ج ۷)

عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اوران کی اطاعت

وفرمانبرداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے مگر عورتیں اس سے بہت غافل ہیں۔

اب غور کیجئے! اگر عورت مرد کی اطاعت کرنے لگ جائے تو یہ عورت گھر بیٹھے بیٹھے اللہ کے راستے میں بھوک، سردی، گرمی، بیماری، زخمی یا شہید ہونے تک کے تمام مراحل جو جہاد کے ہیں اس میں برابر کی شریک ہوکر جنت کے درجات حاصل کرسکتی ہے اور اپنے بستر پر ملک الموت کو لبیک کہہ کر میدان جہاد کے شہیدوں کا رتبہ پاسکتی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو عورت اپنے شوہر کی فرمانبردار اور تابعدار ہو تو اسکے لئے ہوا میں پرندے، دریا میں مچھلیاں، آسمانوں میں فرشتے، اور جنگلوں کے درندے استغفار کرتے ہیں۔"

عورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ اور صدقہ کا حکم

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنه قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ

وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا. (بخاری ج ۱ ص ۴۴، مسلم ج ۱ ص ۶۰)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے پھر عورتوں میں تشریف لے گئے تو فرمایا ''اے عورتوں کی جماعت! تم کثرت سے صدقہ کرو اس لئے کہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا ہے۔'' تو عورتوں نے کہا یارسول اللہ! ایسا کیوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم کثرت سے لعنت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، دین اور عقل کی کمی کے باوجود عقل مند ہوشیار آدمی کی کھوپڑی کو اڑا کر رکھ دینے والا تم جیسا کسی کو نہیں دیکھا'' تو عورتوں نے کہا ہماری عقل اور دین کی کمی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی نصف شہادت کے برابر نہیں ہے؟ یہ ان کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت جب ماہواری کی حالت میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے

اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے کہا کہ جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہی ان کے دین کی کمی ہے"۔

فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جنت کا بھی مشاہدہ کیا جہنم کا بھی، جہنم میں عورتیں بکثرت دیکھیں ان کے جہنم میں جانے کی دو وجہ بتلائی:

(۱) لعنت کا جملہ کثرت سے زبان پر جاری ہو جانا

عورتوں کے جہنم میں جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ عورتیں بہت معمولی معمولی باتوں پر زبان سے لعنت کا جملہ نکالا کرتی ہیں، مثلاً دودھ پیتے بچے سے بھی اگر کوئی بات مزاج کے خلاف صادر ہو جائے تو اس سے بھی کہہ دیتی ہیں کہ تو مرتا کیوں نہیں، یاد رکھیے جملہ لعنت کا حال یہ ہے کہ زبان سے نکلنے کے بعد وہ کبھی بے کار نہیں جاتا بلکہ ضرور اپنا اثر دکھا دیتا ہے ،جس پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ واقعی مستحق لعنت ہے تو اس پر پڑ جائے گی اور اگر وہ مستحق نہیں ہے تو جس نے لعنت کی ہے اس پر آ کر گرتی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ

اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ. (بخاری)

”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے
کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے
کہ ”کوئی آدمی دوسرے آدمی پر فسق وفجور کا الزام نہیں
لگاتا اور نہ ہی کفر کی لعنت کرتا ہے، مگر وہ لعنت اس کی
طرف لوٹتی ہے اگر اس کا ساتھی ایسا نہیں ہے۔“

(۲) اپنے شوہر کی ناشکری کرنا،

عورتوں کے جہنم میں جانے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ شوہر کی ذرا سی بات اپنے مزاج کے خلاف ہو یا شوہر کوئی مطالبہ اس کی مرضی کیمطابق پورا نہ کرے تو پچھلے تمام احسانات پر ایک جملہ سے پانی پھیر دیتی ہے کہ اس مرد نے کبھی میرا حق ادا نہیں کیا، اس مرد نے تو ہمیشہ مجھے ذلیل ہی کیا ہے، میں نے تو کبھی اس میں کوئی بھلائی نہیں دیکھی، بس میں ہی ہوں جو اس کے پاس باندی بن کر رہ رہی ہوں وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسے جملے ہیں جو شوہر کی زندگی بھر کے احسانات کو فراموش کر دینے والے ہیں یہ اللہ کو کسی طرح پسند نہیں ہے، حدیث پاک ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ
قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُ
النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ

الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى
إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ
مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ (بخاری)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مجھے جہنم دکھائی
گئی تو دیکھا کہ اس میں اکثر ایسی عورتیں ہیں جنہوں نے
شوہروں کی ناشکری کی، اور ان کے احسانات کو فراموش
کر دیا تھا اور اگر تم ان میں سے کسی پر احسان کرو، پھر تم
سے کوئی بات خلاف مزاج دیکھ لے تو کہہ دے گی کہ میں
نے تو کبھی بھی تم سے کوئی خیر اور بھلائی نہیں دیکھی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر کے بعد عورتوں میں سے کسی نے اپنے گلے کا ہار، کسی نے ہاتھ کا کنگن، کسی نے پازیب، کسی نے کان کے بندے، غرضیکہ جس کے پاس جو تھا نکال کر دینا شروع کر دیا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تھیلے میں بھرنے لگے۔

شوہر کی ناشکری کسی حال میں نہیں وہ محسن ہے

عن أسماء ابنة يزيد الأنصارية رضی اللہ تعالیٰ
عنها مر بی النبی صلی اللہ علیه وسلم وأنا فی
جوار أتراب لی، فسلم علینا وقال إیاکن وکفر

المنعمين، وكنت من أجرئهن على مسالته، فقلت: يا رسول الله وما كفر المنعمين؟ قال: لعل إحداكن تطول أيمتها من أبويها، ثم يرزقها الله زوجا، ويرزقها منه والدا، فتغضب الغضبة فتكفر فتقول ما رأيت منك خيرا قط. (الادب المفرد)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: میں اپنی کچھ ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی تھی کہ ہمارے پاس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا: تم اچھا سلوک کرنے والے شوہروں کی ناشکری سے بچو، پھر فرمایا تم عورتوں میں سے کسی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین کے گھر لمبے عرصے تک کنواری بیٹھی رہتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے شوہر دیتا ہے اور اس سے اولاد ہوتی ہے، پھر کسی بات پر غصہ ہو جاتی ہے اور شوہر سے یوں کہتی ہے کہ مجھے تو تجھ سے کبھی آرام نہ ملا، تو نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا۔

نسائی شریف میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس عورت کی طرف نظرِ کرم اٹھا کر نہ دیکھے گا جو شوہر کی ناشکری ہوگی حالانکہ عورت کسی وقت بھی اپنے شوہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔“

اس حدیث میں عورتوں کو ناشکری سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے، یہ بیماری عام طور پر عورتوں میں پائی جاتی ہے، اس لیے عورتوں کو اس سے بچنے کی بہت کوشش کرنی چاہیے۔

عورت کو شوہر کی شکر گزار رہنا چاہیے، عورت کا سب سے بڑا محسن شوہر ہی تو ہے جو ہر طرح اس کو خوش کرنے میں لگا رہتا ہے، اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے اور اس کو ہر طرح کی راحت پہنچا کر راحت محسوس کرتا ہے۔

خلیفہ مہدی کا ایک واقعہ

مشہور مورخ و سیرت نگار واقدی کا بیان ہے کہ میں ایک روز خلیفہ مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے چند احادیث بیان کیں، میری بیان کردہ حدیثیں اس نے لکھ لیں، پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہوا، جب وہ گھر سے نکلا تو غصہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا، اور وہ غیظ و غضب سے بھرا ہوا تھا، میں نے عرض کیا، امیر المؤمنین! خیریت تو ہے؟ خلیفہ مہدی کہنے لگا:

دخلت علی الخیزران فقامت الی ومزقت

ثوبی وقالت ، ما رایت خیرا منک.

”میں اپنی بیوی ”خیزران“ کے پاس گیا تو اس نے میرا کپڑا اس قدر زور سے کھینچا کہ وہ پھٹ گیا اور کہنے لگی، میں نے تم میں کوئی خیر کا پہلو نہیں دیکھا ہے۔“

خلیفہ نے مزید کہا: اے واقدی! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ

میں نے ''خیزران'' کو ایک غلام فروش سے خریدا تھا، پھر میں نے اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی، چنانچہ وہ اب قیصر شاہی میں میری بیوی کی حیثیت سے خوش وخرم زندگی گزار رہی ہے، نیز اس کو ناز ونعم اور آرائش وزیبائش کے لیے وہ چیزیں دستیاب ہیں جو دیگر آزاد عورتوں کو کم ہی نصیب ہوا کرتی ہیں، مگر آج اس کا ذہن اس قدر بدل گیا ہے کہ اس نے میرے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا اور کہنے لگی کہ آج تک میں نے کبھی تم میں خیر نہیں دیکھی! حالانکہ میں نے اس کے دونوں لڑکوں (ہادی اور ہارون رشید) کے لیے پیشگی بیعت کروادی ہے، میرے بعد یکے بعد دیگرے وہ دونوں مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے، پھر بھی وہ مجھے طعنے دے رہی ہے کہ میں نے تم میں کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

واقدی نے خلیفہ کی بات سن کر کہا، امیر المؤمنین! آپ ناراض نہ ہوں، کیونکہ کفرانِ نعمت عورتوں کی فطرت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''خیر کم خیر کم لاهله وانا خیر کم لاهلی''

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل خانہ کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔'' (صحیح ابن حبان)

ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ
وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ
تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ
فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (بخاری ومسلم)

''عورتوں کے بارے میں میری نصیحت کا ہمیشہ خیال رکھنا، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے اگر تم اسے بالکل سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو انجام کار توڑ کر رہو گے، اور اگر اس ٹیڑھی پسلی کو یونہی چھوڑ دو گے تو ویسے ہی ٹیڑھی رہے گی (اور تم اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو) پس تم لوگ عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک کیا کرو۔''

واقدی نے اس موضوع سے متعلق چند مزید احادیث خلیفہ سے بیان کیں، خلیفہ مہدی نے انہیں دو ہزار دینار دینے کا حکم دیا، جب واقدی خلیفہ کے پاس سے نکل کر اپنے گھر پہنچے تو اسی وقت ملکہ ''خیزران'' کا پیغامبر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ملکہ کا دیا ہوا تقریباً دو ہزار دینار کا عطیہ بھی ان کی خدمت میں پیش کیا، علاوہ ازیں کپڑے اور جوتے بھی تھے، ملکہ نے پیغامبر کے ذریعے ان عطیات کے ساتھ ساتھ اس کارِ خیر پر ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ)

شوہر راضی ہو تو وہ عورت جنت میں جائے گی

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ: " أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ ، وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ.

(رواه الترمذی و قال حدیث حسن)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی عورت انتقال کر گئی اور اس حال میں کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، تو وہ عورت جنت میں جائے گی۔ صاحب ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ ؓ کا ایک سوال

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ! جنت میں حوریں زیادہ حسین ہوں گی یا مسلمان بیویاں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلمہ ! جنت میں مسلمان عورتیں حوروں سے بھی زیادہ حسین کردی جائیں گی، پوچھا

وبم ذاک۔

"ایسا کیوں ہوگا؟"

(یعنی کون کون سے اعمال کرنے کی وجہ سے ایسے انعامات ملیں گے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قال بصلاتهن وصيامهن وعبادتهن البس الله وجوههن النور (روح المعانی)

”ان کی نمازوں، روزوں، اوران کی عبادت کی وجہ سے ان کے چہروں پر اللہ تعالیٰ اپنا نور ڈال دے گا۔“

اوراللہ تعالیٰ جس پر اپنا نور ڈال دے اس کے حسن کا کیا عالم ہوگا، یہ نور حوروں میں نہیں ہوگا، یہ اضافی نور ہوگا جو نیک عورتوں کے لیے ہوگا۔

رحمٰن کے بندوں کی دعا

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم نے اپنے نیک بندوں کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے نیک سیرت بیویاں اور نیک اولاد طلب کرتے ہیں:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

(سورة الفرقان : ۷۴)

”اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ! ہمیں ہماری بیویوں اوراولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں

پرہیز گار لوگوں کا امام بنا۔"

گویا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک تلقین ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی شریک حیات کے انتخاب میں اس پہلو کو ضرور مدنظر رکھے، ظاہر ہے کہ نیک سیرت ہی کی بناء پر میاں بیوی خوش وخرم رہ سکتے ہیں جب تک نیک نہیں ہوں گے اسوقت تک ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہی وہ سچی اور حقیقی خوشی ومسرت ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے۔

گھریلو زندگی پورے تمدن کی بنیاد ہے

یہ بات یاد رکھئے کہ مرد عورت کے تعلقات ایسی چیز ہے کہ قرآن وحدیث نے اس کے ضروری مسائل کو بھی بڑی اہمیت اور صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ مرد وعورت کے جو تعلقات ہیں اور انسان کی جو گھریلو زندگی ہے یہ پورے تمدن کی بنیاد ہیں اور اس پر پورے تہذیب وتمدن کی عمارت کھڑی ہے اگر مرد اور عورت کے تعلقات استوا ہیں اور خوشگوار ہیں تو اس سے گھر کا نظام درست ہوتا ہے اور گھر کا نظام درست ہونے سے اولاد درست ہوتی ہے اور اولاد کے درست ہونے سے معاشرہ، سنورتا ہے، لیکن اگر گھر کا نظام خراب ہو اور میاں

بیوی کے درمیان رات دن تو تو میں میں ہو جھگڑے ہوتے ہوں تو اس کا اثر اولاد پر پڑے گا اسکے نتیجے میں معاشرتی خرابیاں ہی خرابیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی، اسی لئے قرآن وحدیث میں عائلی احکام کو بڑی اہمیت دی ہے اور انکے آپس کے تعلقات کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بیان فرمایا ہے، اور دونوں میاں بیوی کو پابند کیا ہے کہ اپنے اپنے حقوق لینے کی بات مت کرو بلکہ ایک دوسرے کے حقوق دینے کی بھی بات کرو۔

میاں بیوی کے جھگڑے اللہ کو ناپسند ہیں

بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو انکے فرائض بتا دیئے شوہر کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض اور تمہاری ذمہ داریاں یہ ہیں اور بیوی کو بتا دیا کہ تمہارے فرائض اور تمہاری ذمہ داریاں یہ ہیں اب ہر ایک اس کی ادائیگی کی فکر کرے جتنی ادائیگی کی فکر ہوگی، یہ زندگی دونوں کی اتنی ہی خوشگوار ہوگی ،حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری زندگی کے استوار کرنے کی زیادہ فکر ہے قرآن وحدیث ان ہدایات سے بھرے ہوئے ہیں، اور اگر ان دونوں کے تعلقات میں رخنہ پڑ جانے پر تعلقات خراب ہو جائیں تو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس دنیا میں کفر و شرک کے بعد کوئی بات اتنی ناپسند نہیں جتنے میاں بیوی کے جھگڑے ناپسند ہیں۔

میاں بیوی کے جھگڑے شیطان کو محبوب اور پسندیدہ ہیں

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ابلیس سمندر میں پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے ،اور اپنا دربار منعقد کرتا ہے، اس وقت دنیا میں اس کے جتنے چیلے ہیں ، جو اس کی سکیموں پر اور اس کی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں ، وہ سب اس دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور ان تمام چیلوں سے ان کی کارگرگی کی رپوٹیں طلب کی جاتی ہیں ، کہ تم نے کیا فرائض انجام دیئے؟ اس وقت ہر ایک چیلا اپنی کارگزاری سناتا ہے ، ایک چیلا آ کر اپنی یہ کارگزراری سناتا ہے ، کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد کی طرف جا رہا تھا، میں نے درمیان میں اس کو ایسے کام میں پھنسا دیا، جس سے اس کی نماز چھوٹ گئی ، ابلیس سن خوش ہوتا ہے ، کہ تم نے اچھا کام کیا، لیکن بہت زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کرتا، دوسرا چیلا آ کر بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص فلاں عبادت کی نیت سے جا رہا تھا، میں نے اس کو عبادت سے روک دیا، ابلیس سن کر خوش ہوتا ہے کہ تم نے اچھا کیا ، اسی طرح ایک ایک چیلا آ کر اپنی

کارگزاری سناتا ہے اور ابلیس سن کر خوش ہوجاتا ہے، حتی کہ ایک چیلا آ کر یہ بیان کرتا ہے، کہ دو میاں بیوی باہمی اتفاق اور محبت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، بڑی اچھی زندگی گزر رہی تھی، میں نے جا کر ایک ایسا کام کیا، جس کے نتیجے میں دونوں میں لڑائی ہوگئی، اور لڑائی کے نتیجے میں دونوں میں جدائی واقع ہوگئی، جب ابلیس سنتا ہے، کہ اس چیلے نے دونوں میاں بیوی کو آپس میں لڑا دیا، جو اچھی زندگی گزار رہے تھے، خوش ہو کر اپنے تخت سے کھڑا ہوجاتا ہے اور چیلے سے معانقہ کرتا ہے اور اس کو گلے سے لگالیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ صحیح معنوں میں میرا نمائندہ تو ہے اور تو نے جو کارنامہ انجام دیا، وہ کسی نے انجام نہیں دیا۔

لہٰذا میاں بیوی کو لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اپنا کھیل جدائی کی صورت میں کھیل جائے۔

شوہر کی اطاعت کی حدود اور اس کا ضابطہ

اگر عورت کو ہر معاملہ میں خاوند کی اطاعت کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ عبادت الٰہی سے محروم رہ جاتے جو انسان کی پیدائش کا اصل مقصد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

''اور ہم نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی

کے لیے پیدا کیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت الٰہی مخلوق کی پیدائش کا اصلی مقصد ہے۔ لہٰذا ہر جگہ اس کو مقدم رکھا جائے، صحیح حدیث میں ہے

لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق.

'' خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کسی طرح تابعداری نہیں ہے۔''

یعنی کسی مخلوق کا کسی قسم کا حکم ماننا جو خالق کے حکم کے خلاف ہو ہرگز جائز نہیں۔

لہٰذا (اگر کسی کا شوہر) کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً یہ کہیں کہ زکوٰۃ نہ دو یا نماز نہ پڑھو یا دینی تعلیم حاصل نہ کرو یا اور کوئی ایسی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جب کہ وہ کام ضروری ہو (یعنی فرض یا واجب یا سنت موکدہ ہو) جس سے وہ روکتے ہیں ہاں اور اگر کسی مستحب سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔

آج کل بہت جگہ عورتوں کو فیشن کا بہت اہتمام ہو گیا ہے دوسری قوموں کی وضع شکل و شباہت بناتی ہیں بعض جگہ عورتیں خود ایسا نہیں کرتیں مگر مردان عورتوں کو اس پر مجبور کرتے ہیں مگر سمجھ لیجئے:

لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق.

''کہا کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔''

پس عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کے کہنے سے ایسا لباس ہرگز نہ پہنیں کیونکہ اس میں مردوں کے ساتھ یا غیروں کے ساتھ مشابہت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جائز اور مکروہ تنزیہی امور میں اس کی اطاعت کرسکتی ہے اور فرض واجب وسنت مؤکدہ اس کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتی۔

شوہر کے حقوق کا ضابطہ

بیوی کوئی مباح (اور جائز) کام ایسا نہیں کرسکتی جس میں خاوند کی خدمت وغیرہ میں خلل پڑے۔ دنیا میں بیوی پر خاوند کا جتنا حق ہے اتنا کسی کا کسی پر نہیں، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے (متعدد احادیث ماقبل میں گزرچکی ہیں) لیکن شوہر کے ہر حکم کا ماننا ضروری نہیں، (جیسا کہ بات ابھی پیچھے گزری) ہاں شوہر کا وہ حکم جس کے نہ کرنے سے اسے تکلیف ہو، اس کی خدمت کا حرج ہو، یا کسی کام کے کرنے سے ایسا ہو تو ضروری ہے کہ ایسے امور میں (بشرطیکہ وہ امور خلاف شرع نہ ہوں) خاوند کی تابعداری کرے اور اس کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے اور کسی طرح اس کے حقوق میں کمی نہ کرے۔

عورت گھر کی نگراں وذمہ دار ہے

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّكُمْ

رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْأَمِيرُ
رَاعٍ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَالْمَرْأَةُ
رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ فَكُلُّكُمْ
رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وفي رواية
وَالْخَادِمُ رَاعٍ عَلَىٰ مَالِ سَيِّدِهِ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگراں و محافظ ہے اور تم میں سے ہر ایک سے پوچھا جائے گا ان لوگوں کی بابت جو تمہاری نگرانی میں ہوں گے، امیر بھی نگراں ہے (اس سے بھی اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا) مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے، اور تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کی بابت پوچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیے گئے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ نوکر اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے۔"

فائدہ

اس حدیث مبارکہ کا یہ ٹکڑا یہاں خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے، یہ حدیث بتاتی

ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو صرف کھلانے پلانے ہی کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس کے دین واخلاق کی حفاظت ونگرانی بھی اس کے ذمے ہے، اور بیوی کی ذمہ داری دوگنی ہوگئی ہے، وہ شوہر کے گھر اور مال کی نگران تو ہے ہی، اس کے بچوں کی تربیت کی خصوصی ذمے داری بھی اس پر ہے کیوں کہ شوہر تو معاش کے حصول کے لیے زیادہ تر باہر رہتا ہے اور گھر میں بچے اپنی ماؤں ہی سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں، اس لیے بچوں کی نگرانی اور تعلیم وتربیت کی دوہری ذمہ داری ان کی ماں پر آتی ہے۔

بعض عورتیں گھر کا کام نہیں کرتیں، گھر کی نگرانی نہیں کرتیں، حدیث میں ہے کہ عورتیں گھر میں حاکم ہیں۔ گھر کے انتظام کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا۔ نگرانی نہ کرنے سے گھر میں چوری ہوتی ہے، اس کا بہت خیال کرنا چاہیئے، دوسروں پر نہ چھوڑنا چاہیے۔

بعض عورتیں اپنے ذمہ مردوں کا صرف یہ حق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکا کے دے دیا، رات کو بستر لگا دیا اور دھوبن کو مردوں کے کپڑے شمار کرکے دیدیئے، جب لائی شمار کرکے لے لیئے اور حفاظت سے بکس میں بند کرکے رکھ دیئے۔

مردوں کو کھلا دیا پلا دیا اور اگر کوئی بچہ ہو تو اس کو نہلا دھلا دیا، اور یہ بھی اس وقت جب کہ گھر میں بچہ لینے کیلیئے کوئی نوکر نہ ہو اور یہ

کام انہیں خود کرنا پڑے ورنہ ان کو اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں ہیں اور کس طرح ہیں اور اگر گھر میں کھانا پکانے والی نوکرانی بھی ہوئی تو ان کو چولہے کی بھی خبر نہیں ہوتی اب نوکرانی سیاہ وسفید کی مالک ہے جو چاہے کرے۔

غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا بھی عورتوں کو بالکل خیال نہیں ہوتا، جو بالکل غلط رویہ ہے، گھر کی نگراں ہونے کے ناطے عورتوں کی ذمہ داریاں دوچند ہیں اس کا احساس ہونا چاہیے۔

گھر کا کام کرنا بھی عبادت ہے

بعض عورتیں دینداری پر آتی ہیں تو یہ طریقہ اختیار کرلیتی ہیں کہ تسبیح اور مصلیٰ لے کر بیٹھ گئیں اور گھر کو ماماؤں (نوکرانیوں) پر ڈال دیا، یہ طریقہ اچھا نہیں، کیونکہ گھر کی نگہبانی اور خاوند کے مال کی حفاظت عورت کے ذمہ فرض ہے، جس میں اس صورت سے بہت خلل واقع ہوتا ہے اور جب فرض میں خلل آگیا تو یہ نفل اور تسبیح کیا نفع دیں گی۔ اس لیے دینداری میں اتنا غلو بھی نہ کرو کہ گھر کی خبر ہی نہ لو نماز روزہ اس طرح کرو کہ اس کے ساتھ گھر کا بھی پورا حق ادا کرو اور تمہارے واسطے یہ بھی دین ہی ہے کیونکہ تم کو گھر کے کام کاج میں بھی ثواب ملتا ہے اگر اس نیت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے گھر کی حفاظت اور

خبر گیری میرے ذمہ کی ہے اس لیے حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتی ہوں۔ ہاں گھر کے کاموں میں ایسی منہمک نہ ہو کہ دین کو چھوڑ دو بلکہ اعتدال سے کام لو۔

اللہ اللہ تو گھر کا کام کرتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے یہ کیا ضروری ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہی کے ساتھ اللہ اللہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

لایزال لسانک رطبا من ذکر الله.

یعنی زبان کو ہر وقت خدا کی یاد سے تر رکھنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے لیے کسی قید اور پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں ہوسکتا ہے۔

خواتین حضرت فاطمہؓ کی سنّت اختیار کریں

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت کی خواتین کی سردار ہیں، نکاح کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپس میں یہ بات طے کر لی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے باہر کے کام کریں گے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے اندر کے کام کریں گی۔ (کنز العمال)

چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی محنت سے گھر کے کام انجام دیتی تھیں اور بڑے ذوق وشوق سے اپنے شوہر کی خدمت کرتی تھیں، لیکن محنت کا کام زیادہ ہوتا تھا، وہ زمانہ آج کل کے زمانے کی طرح تو تھا نہیں آج تو بجلی کا بٹن دبا دیا اور کھانا تیار ہوگیا، اس زمانے میں کھانا تیار کرنے کے لیے چکی کے ذریعہ آٹا پیستیں، تنور کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لاتیں اور تنور سلگاتیں اور پھر روٹی پکاتیں، ایک لمبا چوڑا عمل تھا جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بڑی مشقت اٹھانا پڑتی تھی، لیکن جب غزوہ خیبر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مالِ غنیمت آیا، اس مالِ غنیمت میں غلام اور باندیاں بھی آئی تھیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ان کو تقسیم کرنا شروع کر دیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے کہا کہ آپ بھی جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں کہ ایک باندی آپ کو بھی دے دیں، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں حاضر ہوئیں اور ان سے کہا کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں، اس وقت

چونکہ مالِ غنیمت میں اتنے سارے غلام اور باندیاں آئی ہیں، کوئی غلام یا باندی اگر مجھے مل جائے تو میں اس مشقت سے نجات پالوں، یہ کہہ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا واپس گھر آ گئیں۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائی تھیں اور یہ فرما رہی تھیں کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں، اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں، (آپ اندازہ لگائیں کہ اس وقت باپ کے جذبات کا کیا عالم ہوگا لیکن) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر بلایا اور فرمایا، فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تم نے مجھ سے باندی یا غلام کی درخواست کی ہے لیکن جب تک سارے اہل مدینہ کو غلام اور باندیاں میسر نہ آ جائیں اس وقت تک میں اپنی بیٹی کو غلام اور باندی دینا پسند نہیں کرتا۔

البتہ میں تمہیں ایک ایسا نسخہ بتاتا ہوں جو تمہارے لئے غلام اور باندی سے بہتر ہوگا وہ یہ کہ جب تم رات کے وقت بستر پر لیٹنے لگو تو اس وقت ۳۳ مرتبہ ''سبحان اللہ'' ۳۳ مرتبہ ''الحمدللہ'' اور ۳۴ مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھ لیا کرو۔

یہ تمہارے لئے غلام اور باندی سے زیادہ بہتر ہوگا، بیٹی بھی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں پلٹ کر کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی پر مطمئن ہوگئیں اور واپس تشریف لے گئیں، اسی وجہ سے اس تسبیح کو ''تسبیح فاطمی'' کہا جاتا ہے۔

(جامع الاصول)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو خواتین کے لئے ایک مثال بنادیا کہ بیوی ایسی ہو، قانونی اعتبار سے خواہ کچھ بھی حق ہو لیکن سنت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اس نگہبان ہونے کی وجہ سے وہ اس کے کاموں کو اپنا کام سمجھ کر انجام دے۔ ماخوز از وعظ ''شوہر کے حقوق'' (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم)

گھر کے کام کرنے میں شرم مت کیجئے

آج کل ہمیں اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں اپنی توہین محسوس ہوتی ہے، ہم ہر کام میں نوکروں کے محتاج ہوگئے ہیں، کئی عورتوں کی تو یہ حالت ہے کہ شوہر کی مالی حالت چاہے کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو لیکن گھر کے کام کاج کے لئے ایک نوکرانی ضرور ہونی چاہیے، تاکہ بیگم صاحبہ کو کچھ کام ہی نہ کرنا پڑے اور خود سیٹھانی بن کر پلنگ پر بیٹھی حکم چلاتی رہیں۔

قابل احترام بہنوں! یہ عادت بہت بری ہے کیونکہ آرام کی عادت بنا لینے سے انسان بالکل کاہل اور سست ہوجاتا ہے، اس عادت کا اثر اپنی صحت پر بھی پڑتا ہے، روز بروز صحت گرتی جاتی ہے اور آخر کار کسی کام کی نہیں رہتی۔

جہاں مردوں کو اپنی صحت باقی رکھنے کے لئے ورزش ضرورت ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اپنی صحت باقی رکھنے کے لیے ورزش کی ضرورت ہے، عورت کے لئے اس کے گھر ہی میں اتنے سارے کام ہوتے ہیں کہ اگر وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرے تو ضرورت کے مطابق ورزش ہوجاتی ہے، تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کرنے والی عورتوں کی صحت ایسی عورتوں سے بہت ہی اچھی ہوتی ہے جو عورتیں نوکرانیوں سے کام لینے کی عادی ہوتی ہیں۔

یاد رکھیں! بے کار رہنا خود ایک خطرناک بیماری ہے جو رفتہ رفتہ صحت کا ستیاناس کر دیتی ہے، جو عورتیں خود کام نہیں کرتیں ان کے جسم کا خون کم ہونے لگتا ہے، جسم موٹا ہوکر پھولنے لگتا ہے۔

خود صحابیاتؓ اپنے گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں یہاں تک کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا

گیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟
تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کی خدمت
میں لگے رہتے جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لئے
تشریف لے جاتے۔'' (مشکوٰۃ)

ایک دوسری جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی
ہیں کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے اپنے ہاتھ
سے سی لیتے، اپنے کپڑوں میں خود ہی پیوند لگاتے
اور اپنے گھر کا اکثر کام کاج خود ہی کرتے۔'' (مشکوٰۃ)

کام تندرستی کیلئے بے حد ضروری ہے، البتہ کام کاج زیادہ ہو تو
خادمہ کے سپرد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن سب کام خادمہ کے سپرد
کر دینے سے گھر کا نقشہ ہی بگڑ جاتا ہے، معمولی کام نوکروں کو سونپنے
چاہئیں اور ضروری کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے چاہئیں۔

گھر کے کام کاج پر اجر و ثواب ہے

بعض مرتبہ ہم لوگوں کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی
کے تعلقات ایک دنیاوی قسم کا معاملہ ہے اور یہ صرف نفسانی
خواہشات کی تکمیل کا معاملہ ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ دینی معاملہ

بھی ہے، اس لئے کہ اگر عورت یہ نیت کرلے، کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے یہ فریضہ عائد کیا ہے، اور اس تعلق کا مقصد شوہر کو خوش کرنا ہے اور شوہر کو خوش کرنے کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے، تو پھر یہ سارا عمل ثواب بن جاتا ہے۔

گھر کا جو کام خواتین کرتی ہیں، اور اس میں نیت شوہر کو خوش کرنے کی ہے، تو صبح سے لے کر شام تک وہ جتنا کام کر رہی ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں لکھا جاتا ہے، چاہے وہ کھانا پکانا ہو، گھر کی دیکھ بھال ہو، یا بچوں کی تربیت ہو، یا شوہر کا خیال ہو، یا شوہر کے ساتھ خوش دلی کی باتیں ہوں، ان سب پر اجر لکھا جارہا ہے، بشرطیکہ نیت درست ہو۔

غرض میاں بیوی اگر اپنے اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کو سمجھ کر انجام دیں، اور خدا خوفی کو ہر وقت سامنے رکھیں تو انشاء اللہ دنیوی زندگی بھی پرسکون ہوگی اور اخروی زندگی بھی پرسکون رہے گی، اللہ تعالیٰ ہماری مسلم خواتین کو اپنی ذمہ داریوں اور اپنے شوہروں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین